ماہنامہ

خوفناک ڈائجسٹ

جون 2015ء

خونی چڑیل نمبر

RS:70

CPL NO-219

CPL No.219

ماہنامہ

خوفناک ڈائجسٹ

لاہور

جلد نمبر 19۔ شمارہ نمبر 1

ماہ جون 2015

قیمت۔ 70 روپے

خونی چڑیل نمبر



خوفناک ڈائجسٹ پوسٹ بکس نمبر 3202 غالب مارکیٹ گلبرگ III لاہور

ماہنامہ خوفناک ڈائجسٹ ماہ جون 2015 کے شمارے خونی چڑیل نمبر کی جھلکیاں

ماہنامہ خوفناک ڈائجسٹ ماہ جون 2015 کے شمارے خونی چڑیل نمبر کی جھلکیاں

خوشبو

احسان سحر۔ 161

خونی چڑیل نمبر

جون 2015

غزلیں نظمیں

مجھے یہ شعر پسند

آپ کے خطوط

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اسلامی صفحہ

"شب برات"

شعبان المعظم کی پندرھویں رات کو شب برات کہا جاتا ہے برات کا مطلب "نجات کی رات" ہے اس رات کی خصوصیت یہ ہے کہ اس رات میں اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو اپنی خصوصی رحمت سے نوازتا ہے اس رات ہر امر کا فیصلہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ مخلوق میں تقسیم رزق فرماتا ہے پورے سال میں ان سے سرزد ہونے والے اعمال اور پیش آنے والے واقعات سے اپنے فرشتوں کو باخبر کرتا ہے۔

سیدنا ابوبکر صدیقؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اٹھو شعبان مبینہ کی پندرھویں رات کو اس لیے کہ یہ بہت رات مبارک ہے فرماتا ہے اللہ تعالیٰ اس رات کو کہ ہے کوئی ایسا جو بخشش چاہتا ہو مجھ سے تاکہ میں بخش دوں اور تندرستی مانگے تو دوں اور ہے کوئی محتاج کہ آسودہ حال چاہتا ہو تاکہ اس کو آسودہ کروں چنانچہ صبح تک یہی ارشاد ہوتا ہے۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نصف شعبان کی رات میں اللہ تعالیٰ قریب ترین آسمان کی طرف نزول فرماتا ہے اور شرک، دل میں کینہ رکھنے والے اور رشتہ داریوں کو منقطع کرنے والے اور بدکار عورت کے سوا تمام لوگوں کو بخش دیتا ہے (غنیۃ الطالبین)

ابو نصر رح نے سند مرفوع سے روایت کی کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ ایک رات میں نے رسول اللہ صلی اللہ وآلہ وسلم کو بستر پر نہیں پایا میں آپ کی تلاش میں گھر سے نکلی میں نے دیکھا کہ آپ بقیع کے قبرستان میں موجود ہیں اور آپ کا سر آسمان کی جانب اٹھا ہوا ہے۔ حضور ﷺ نے مجھے دیکھ کر فرمایا "کیا تمہیں اس بات کا اندیشہ ہے کہ اللہ اور اس کا رسول تمہاری حق تلفی کریں گے" حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی رات میں دنیا کے آسمان پر جلوہ فرما ہوتا ہے اور بنی کلب کی بکریوں کے بالوں کے شمار سے زیادہ لوگوں کی بخشش فرما دیتا ہے۔

شیخ ابو نصر رح نے باسناد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا عائشہ یہ کونسی رات ہے؟ انہوں نے فرمایا اللہ اور اس کے رسول ہی بخوبی واقف ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا یہ نصف شعبان کی رات ہے اس رات میں دنیا کے اعمال بندوں کے اعمال اوپر اٹھائے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ اس رات بنی کلب کی بکریوں کے بالوں کی تعداد میں لوگوں کو دوزخ سے آزاد کرتا ہے تو کیا تم آج کی رات مجھے عبادت کی اجازت دیتی ہو؟ میں نے عرض کیا ضرور۔ پھر آپ نے نماز پڑھی اور قیام میں تخفیف کی، سورہ فاتحہ اور ایک چھوٹی سورت پڑھی پھر آدھی رات تک آپ سجدے میں رہے پھر کھڑے ہو کر دوسری رکعت پہلی رکعت کی طرح پڑھی اور آپ سجدے میں چلے گئے یہ سجدہ فجر تک جاری رہا مجھے اندیشہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی روح مبارک قبض فرمالی ہے پھر جب میرا انتظار طویل ہوا تو میں آپ کے قریب پہنچی اور میں نے حضور ﷺ کے تلووں کو چھوا تو حضور ﷺ نے حرکت فرمائی میں نے خود سنا کہ حضور سجدے کی حالت میں یہ الفاظ ادا فرما رہے تھے۔ الٰہی میں تیرے عذاب سے تیری عفو اور بخشش کی پناہ مانگتا ہوں تیرے قہر سے تیری رضا کی پناہ میں آتا ہوں تجھ سے ہی پناہ چاہتا ہوں تیری ذات بزرگ ہے میں تیری شایان شان ثنا بیان نہیں کر سکتا تو ہی آپ اپنی ثنا کر سکتا ہے اور کوئی نہیں۔

صبح کو میں نے عرض کیا کہ آپ سجدے میں ایسے کلمات ادا فرما رہے تھے کہ ایسے کلمات میں نے آپ کو کہتے کبھی نہیں سنا۔ حضور ﷺ نے فرمایا خود بھی یاد کر لو اور دوسروں کو بھی سکھاؤ کیونکہ جبرئیل نے مجھے سجدے میں ان کلمات کو ادا کرنے کا حکم دیا تھا۔ (قاضی احمد عتیق مزمل منڈی)

اسلامی صفحہ

ماں کی یاد میں

تیری ہر خوشی پہ قربان میری جاں۔ ماں تو سلامت رہے میری ماں

خون دے کے پالے ہیں یہ پودے گلشن کے۔ اس چمن پہ رہتی ہے تو سدا مہرباں

ماں تو سلامت رہے میری ماں

محتاج ہوں میں تیری اک اک دعا کی۔ رہے میرے سر پہ سدا تیری چھاں

ماں تو سلامت رہے میری ماں

میری پیاری ماں تو پیار کا ایک بہت ہی گہرا سمندر ہے تیری گہرائی کو کوئی نہیں جانتا اس اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ ماں تیرے پیار کی گہرائی بہت زیادہ ہے جس کا کوئی ناپ تول نہیں ہے میں تیری بیٹی ہوں اور تیری ہی گود میں پلی ہوں ماں میں تیرے ہر دکھ کو جانتی ہوں تیری تکلیف کو سمجھتی ہوں ماں کتنے پیارے وہ دن تھے جب تو مجھے اپنے پاس بیٹھا کر کھانا کھلاتی تھی بلکہ ماں تو تو کہتی ہے کہ جب تک اولاد کھانا نہ لے تجھے بھوک ہی نہیں لگتی ماں تیرے پیار کا اندازہ میں کیسے لگاؤں کہ ایک طرف ڈانٹنا اور دوسری طرف گود میں بیٹھا کر پیار کرتی ہو ماں مجھ سے کبھی بھی ناراض نہ ہونا ماں میں تیرا ایسا نہیں ہوں جو اپنی بیوی کے لیے اپنی ماں کو دھکے دے کر نکال دوں گا جو اپنی بیوی کو شاندار گھر میں اور تجھے اندھیری کوٹھری میں رکھوں گا جو بیوی کو طرح طرح کے کھانے اور تجھے اپنے بچوں کا بچا کچا کھلاؤں گا جو اپنی بیوی کے پرانے کپڑے تجھے پہناؤں گا میں تو تیری بیٹی ہوں تیرا چہرا دیکھ کر سوتی ہوں تیری پیاری صورت اٹھتے ہی دیکھ کر صبح کا آغاز کرتی ہوں ماں تو مجھے نظر نہ آئے تو تجھے ڈھونڈنا شروع کر دیتی ہوں ماں تیرے بن تو گھر میں اندھیرا سا ہو جاتا ہے ماں میری ہر تمنائیں تو تیری وجہ سے پوری ہوئی ہوتی ہیں ہر خوشی تو تجھے دیکھ کر ملتی ہے پھر میں ان خوشیوں کی تمنا کیوں کروں جن میں تو شامل نہیں ہوئی ماں تیری گود کی نرمی تو آج بھی نہیں بھول پائی ہوں ماں کسی نے سچ کہا ہے کہ جب ماں یا باپ مر جائیں تو بیٹا بار بار گھڑی دیکھتا ہے کہتا ہے جلدی دفنا دیں میت کا ٹائم ہونے والا ہے میت کو دفنانے کے بعد کھانا کھلاتا ہے مگر ماں بیٹیاں تو اپنی ماں باپ کا چہرہ دیکھ دیکھ کر روتی رہتی ہے ہائے میری امی کو مت لے کر جاؤ میری امی کے بغیر میرے سے یہ دروازے بند ہو جائیں گے میری امی کو میرے پاس ہی رہنے دو مگر ماں کوئی بھی اس وقت بیٹی کی نہیں سنتا ماں میں تو بیٹی ہوں تجھ سے دور نہیں رہ سکتی ماں میں بیٹا نہیں ہوں جو تجھے بیمار کو چھوڑ کر کسی دوسرے ملک چلا جاؤں گا اور وہاں جا کر کہوں گا ماں میں بہت پیسا کما رہا ہوں تیری بیماری کی بھولائی ہے مگر ماں بیمار ہونے سے پہلے ہمت نہیں ہوئی بیٹے کی بات سن کر کہتی ہے بیٹا اللہ تجھے بہت دے میری دعا ہے کہ اللہ تجھے تیری سوچ سے بھی زیادہ دے اور اپنے بیٹے کی آواز سن کر آنکھیں بھر آتی ہیں دکھ نہیں سکتی آواز کے ساتھ آنکھوں میں آنسو اور ہونٹوں پہ پھر مسکراہٹ سی آتی ہے جب آواز بند ہوتی ہے تو تو رو کر کہتی ہے بیٹا تو جہاں رہے خوش۔

کشور کرن۔ پتوکی۔

محبت کی جیت

تحریر۔ ثمن شہزادی۔ فتح جنگ۔

سجاول نے ضرورت کی اشیاء خریدیں اور اپنے گاؤں کی سمت ہولیا گھر آکے اس نے تمام چیزوں کو اپنی اپنی جگہ پر رکھا اور کچھ سامان بکھرا پڑا تھا سے سیٹ کیا جاتے ہوئے اس کے کمرے کی کھڑکی کھلی رہ گئی تھی جس کی اس سے ہوا کی بدولت اس کے ٹیبل پر پڑے سارے کاغذ کمرے میں بکھرے ہوئے تھے اس نے ان کو اکٹھا کیا اور ٹیبل پر رکھا پھر سے فریش ہو کر کھانا کھا جب وہ اپنے کمرے میں داخل ہوا تو ساڑھے پانچ ہو چکے تھے وہ جلدی سے گھر سے نکا گھر کو تالا لگایا اور جنگل کی طرف چل دیا وہ جنگل کے اسی حصے میں گیا جہاں اس نے کل وہ لڑکی دیکھی تھی اسے تلاش کرنے لگا آخر اس کی تلاش رنگ لائی جوں ہی اس نے شمال کی سمت دیکھا تو کل والی حالت میں کوئی لڑکی چلی آرہی تھی اس نے اس کا پیچھا کیا بہت وقت چلنے کے بعد اس نے دوڑنا شروع کر دیا اس نے سوچا کہ اس لڑکی کا راستہ تو ختم ہی نہیں ہو رہا ایسا کرتا ہوں اس کو مخاطب کر کے اس سے دریافت کرتا ہوں کہ وہ اس وقت ادھر کیا کر رہی ہو اس نے اس کو پیچھے سے آواز دی۔

اس نے سجاول کی دوسری آواز پر پلٹ کر دیکھا وہ انتہائی خوبصورت لڑکی تھی ایسے لگتا تھا جیسے برسوں سے اس کے ہونٹوں پر سرخی نہ لگی ہو آنکھوں کی چمک بھی بہت افسردہ تھی چہرے پر سے بھی خوش معلوم نہیں ہوتی تھی یوں لگتا تھا کہ برسوں سے مایوسی چھائی ہوئی ہو مگر اس سب کے باوجود وہ خوبصورت لگ رہی تھی اس سے پہلے کہ وہ اسے یہ کہتا کہ رکو وہ غائب ہو گئی اس نے ادھر ادھر تلاش کیا مگر آج پھر سے ناکام ہی واپس لوٹنا پڑا مگر آج اس نے پختہ ارادہ کر لیا کہ وہ اس لڑکی کا سراغ ضرور لگائے گا۔ ایک سنسنی خیز اور دلچسپ کہانی۔

ایک طوفان کی شام تھی ہوا کے زور کی وجہ سے درخت جھول رہے تھے جس کے باعث شاخوں کی آوازیں آرہی تھی وہ جنگل میں چلتا جا رہا تھا کیونکہ جب کبھی بھی وہ تھک جاتا تو جنگل میں نکل جاتا کیونکہ خاموشی اور تنہائی اسے جنون کی حد تک اچھی لگتی تھی وہ ادھر ادھر بے مقصد گھوم رہا تھا کہ اسے آہٹ محسوس ہوئی جیسے اس کے علاوہ کوئی اور بھی وہاں پر موجود تھا وہ ڈرنہیں لگتا تھا اسے لیکن تجسس ہمیشہ رہتا تھا اس لیے اس نے نظریں گھما کر ادھر ادھر دیکھا مگر اسے کچھ نظر نہیں آیا وہ تھوڑی دیر خاموش رہا تو اسے پیروں کی آہٹوں کی آوازیں آنا واضح سنائی دی ایک لمحہ اس نے یہ جاننے میں صرف کیا کہ یہ آواز کس طرف سے رہی ہے کچھ سوچ کر وہ دائیں طرف کو چل گیا تھوڑا سا آگے جانے کے بعد

جب اس نے رخ سیدھا کیا تو وہ ٹھٹھک کر رک گیا۔

سفید لباس ملبوس جو کہ بیچ لگ رہا تھا اس کے بال شانوں پر بکھرے ہوئے تھے قد قامت میں بھی اچھی تھی اس نے دماغ میں خیال کیا کہ یہ کون لڑکی ہے جو اس وقت جنگل میں ہے اور کدھر جا رہی ہے یہ تو آگے بڑھتی چلی جا رہی ہے کیا اس نے گھر واپس نہیں جانا یہ سوچتے ہی اس نے اوپر دیکھا کہ اس دوشیزہ کا پیچھا کیا جائے کیا معلوم یہ راستہ بھٹک گئی ہو مگر یہ کیا وہ تو غائب ہو چکی تھی وہ جلدی جلدی قدم اٹھاتا آگے بڑھ گیا مگر اس کی گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے کی تلاش کے باوجود وہ اس کا سراغ نہ پا سکا تو وہ واپس ہو لیا۔

رات کا اندھیرا آسمانوں کو پوری طرح اپنی آغوش میں لے چکا تھا وہ اس لڑکی کے بارے میں سوچتے سوچتے آخر کار گھنٹہ کی مسافت کے بعد اپنے گھر میں داخل ہو گیا ہر طرف گہری خاموشی تھی گلیاں ویران تھی ایک دو جگہ قمقمے روشن تھے وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا اپنے گھر میں داخل ہو گیا پورے گھر میں سناٹے کا راج تھا ظاہری سی بات ہے کہ گھر میں خاموشی ہی ہونی تھی نا۔ کیونکہ اس گھر میں اس کے سوا کوئی اور نہیں تھا اس نے آگے بڑھ کر لائٹ آن کی پھر ہاتھ دھونے اور لباس تبدیل کر کے کچن میں داخل ہو گیا وہاں جو اسے پسند آیا وہ کھائی کر اپنے بیڈ روم کی طرف آرام کرنے چل دیا کیونکہ وہ تھک چکا تھا آج اس نے اپنی سٹڈی ٹیبل پر بکھرے کاغذوں کی بھی نہیں چھیڑا تھا کیونکہ اس کا دماغ اس لڑکی کے بارے میں اب تک تانے بانے بن رہا تھا اس کی سوچوں میں وہ غرق تھا وہ بیڈ پہ ٹیک لگائے بیٹھا تھا اور وہ ہی سو گیا تھا۔

اس کا نام سجاول تھا اور یہ خوش قامت اور خوش شکل تھا اور ہر وقت لاتعلقی کے اظہار کا حلیہ اپنائے رکھتا تھا علاوہ اس کے وہ خوش لباس بھی تھا مگر کبھی اس نے خود پہ خاطر خواہ توجہ نہیں دی ناول لکھتا تھا اور شاعری اس کا دوسرا کام تھا وہ کرتا تھا بو مست ملنگ زندگی بسر کر رہا تھا صبح اس کی آنکھ کھلی تو نو بج چکے تھے وہ جلدی سے بستر سے اترا پہلے شاور لیا اور پھر ناشتہ کر کے گھر کو تالا لگا کر وہ شہر کی سمت ہو لیا اس کے ہاتھ میں ایک بیگ بھی تھا جس میں لکھے ہوئے کاغذ رکھے تھے شاید اس کا ناول مکمل ہو چکا تھا وہ بازار اور لوگوں کی بھیڑ میں ہوتا ہوا ایک تنگ گلی میں داخل ہوا اور تھوڑا آگے جا کر ایک دروازہ کھول کر اندر چلا گیا یہاں پہ بٹھانے اور بتانے کے بعد اسے ایڈیٹر کے کمرے میں جانے کی اجازت مل گئی یہ کسی پبلشنگ ایجنسی کا آفس تھا جہاں وہ اپنا ناول لے کر آیا تھا وہ ایڈیٹر کے کمرے میں داخل ہوا اسے سلام کرنے کے بعد اس کی ہدایت پر ایک کرسی پہ بیٹھ گیا ایڈیٹر نے فون پر نوکر کو چائے اور بسکٹ لانے کی ہدایت کی اور ریسیور رکھ دیا سجاول نے ہاتھ میں پکڑا ہوا لفافہ ایڈیٹر کے ٹیبل پر رکھ دیا۔ امجد صاحب نے وہ لفافہ کھول کر اس میں سے چند کاغذ نکالے اور ان کا مطالعہ کرنے لگے ان تحریروں پہ نظر دوڑانے کے بعد بولے۔

بہت اچھا ہے ناول تو تمہارا یہ کہتے

ہوئے سجاول سے مخاطب ہوئے اتنے میں نوکر چائے لے کر آیا اندر داخل ہوا اور چائے امجد صاحب اور سجاول کو پیش کر کے کمرے سے باہر چلا گیا۔

میرا خیال ہے اب باقی باتیں طے کر لینی چاہئے یہ کہتے ہوئے امجد صاحب نے فون پر پبلشر کو اپنے کمرے میں مدعو کیا اور ریسیور رکھ دیا۔

آپ چائے لیں نا چائے امجد صاحب نے سجاول سے کہا اور خود بھی اپنے ہاتھ میں چائے کا کپ پکڑ لیا تین سے پانچ منٹ کے انتظار کے بعد نعمان جو کہ پبلشر تھے وہ اندر داخل ہوئے امجد صاحب نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا اس کے بعد ناول کی جلد اس کے باہر چھپنے والے پرنٹ اور ٹائٹل پہ گفتگو ہوئی ان چیزوں کے فائنل ہونے کے بعد سجاول کو معاوضہ دے کر رخصت کر دیا گیا۔

سجاول نے ضرورت کی اشیاء خریدیں اور اپنے گاؤں کی سمت ہو لیا گھر آ کے اس نے تمام چیزوں کو اپنی اپنی جگہ پر رکھا اور کچھ سامان بکھرا پڑا تھا سے سیٹ کیا جاتے ہوئے اس کے کمرے کی کھڑکی کھلی رہ گئی تھی جس کی وجہ سے ہوا کی بدولت ٹیبل پر پڑے سارے کاغذ کمرے میں بکھرے ہوئے تھے اس نے ان کو اکٹھا کیا اور ٹیبل پر رکھا پھر سے فریش ہو کر کھانا کھایا جب وہ اپنے کمرے میں داخل ہوا تو ساڑھے پانچ ہو چکے تھے وہ جلدی سے گھر سے نکلا گھر کو تالا لگایا اور جنگل کی طرف چل دیا وہ جنگل کے اسی حصے میں گیا جہاں اس نے کل وہ لڑکی دیکھی تھی اسے تلاش کرنے لگا

آخر اس کی تلاش رنگ لائی جوں ہی اس نے شمال کی سمت دیکھا تو کل والی حالت میں کوئی لڑکی چلی آ رہی تھی اس نے اس کا پیچھا کیا بہت وقت چلنے کے بعد اس نے دوڑنا شروع کر دیا اس نے سوچا کہ اس لڑکی کا راستہ تو ختم ہی نہیں ہو رہا ایسا کرتا ہوں اس کو مخاطب کر کے اس سے دریافت کرتا ہوں کہ وہ اس وقت ادھر کیا کر رہی ہو اس نے اس کو پیچھے سے آواز دی۔

اس نے سجاول کی دوسری آواز پر پلٹ کر دیکھا وہ انتہائی خوبصورت لڑکی تھی ایسے لگتا تھا جیسے برسوں سے اس کے ہونٹوں پر سرخی نہ لگی ہو آنکھوں کی چمک بھی بہت افسردہ تھی چہرے پر سے بھی خوش معلوم نہیں ہوتی تھی یوں لگتا تھا کہ برسوں سے مایوسی چھائی ہوئی ہو مگر اس سب کے باوجود وہ خوبصورت لگ رہی تھی اس سے پہلے کہ وہ اسے یہ کہتا کہ رکو وہ غائب ہو گئی اس نے ادھر ادھر تلاش کیا مگر آج پھر اسے ناکام ہی واپس لوٹنا پڑا مگر آج اس نے پختہ ارادہ کر لیا کہ وہ اس لڑکی کا سراغ ضرور لگائے گا۔

اس نے چند چیزیں درست کر کے باقی گھر کی تمام اشیا بدستور ویسے ہی پڑی رہیں اسے جو چیزیں ضرورت ہوتی وہ اٹھا لیتا باقی اس کی بیشتر اشیاؤں ہی بے ہنگم طریقے سے پڑی رہتی تھیں وہ وضو کر کے اپنے بیڈ روم میں آیا اور اس نے کاغذ اور پنسل پکڑ لی اور کچھ لکھنا شروع کیا۔ اصل میں وہ ایک غزل لکھ رہا تھا اس نے قریب ہی ایک دوران پبلشر کو شائع کرنے کے لیے دینا تھا وہ اس کے لیے شاعری کر رہا تھا وہ ہر قسم کی شاعری دل سے کرتا تھا لیکن اس

اشعار میں جو تنہائی ذکر ہوتا تھا وہ کمال کا ہوتا تھا۔

ابھی وہ ایک غزل بھی مکمل نہیں کر پایا تھا کہ اس نے کاغذ قلم سائیڈ پر رکھے اور لیٹ گیا اس کا دماغ اس لڑکی کی کھوج میں چل رہا تھا اسی سوچ میں اس کی آنکھ لگ گئی وہ صبح جب اس کی آنکھ کھلی تو آٹھ بج رہے تھے وہ بستر پر سے اٹھا اور باتھ روم میں شاور لیا فریش ہو کر وہ کچن میں ناشتے کی غرض سے جا رہا تھا کہ اس کا فون بجا اس نے فون ریسیو کیا۔

اسلام علیکم صاحب جی دوسری جانب سے کوئی بولا۔

ہاں حشمت بولو کیوں فون کیا ہے۔

وہ میں نے کہنا تھا کہ آپ کے کپڑے تیار ہیں آ کر لے جائیں۔۔

ٹھیک ہے میں آج آ کر لے جاؤں گا۔

ٹھیک ہے اللہ حافظ۔

اوکے جی خدا حافظ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا کچن میں داخل ہو گیا اس نے سب سے پہلے فریج کھولی اور اس میں سے ایک انڈا دو ڈبل روٹیاں اور جوس نکالا اس نے ڈبل روٹی گرم کیں اور ان ایک پلیٹ میں رکھا اور پھر انڈا بنانے کی طرف متوجہ ہو گیا وہ جلدی میں انڈا بنا رہا تھا کہ اس کا ہاتھ جل گیا ہائے توبہ جوں ہی سجاول کی انگلی گرم فرائی پین کیساتھ لگی وہ جلدی سے ہاتھ پیچھے ہٹاتے ہوئے بولا اس نے انڈے والا فرائی پین چولہے پر سے اتار کر ایک سائیڈ پر رکھا اور واش روم میں گیا اور وہاں سے پیسٹ لے کر انگلی پر لگا کر واپس آیا۔

اس لیے تو کہتے ہیں جلدی کا کام شیطان ہوتا ہے وہ خود سے باتیں کر رہا تھا واپس آ کر ٹیبل پر بیٹھ گیا اور ناشتہ کرنے لگا ناشتے سے فارغ ہو کر اس نے لونڈری میں سے گندے کپڑے اکھٹے کیے اور انہیں ایک شاپر میں ڈالا اور گھر کو تالا لگا کر وہ کپڑے لے کر دھوبی کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا اصل میں جو صبح اسے فون آیا تھا وہ اس کے دھوبی کا تھا جس نے اسے کپڑے لے جانے کے لیے کہا تھا وہ دھوبی سے کپڑے لے کر واپس آیا اور انہیں الماری میں لگانے لگا اس کے بعد اس نے اپنا لیپ ٹاپ کھولا اور اس پر آئے ہوئے ای میل اور دیگر میسج چیک کرنے لگا۔

اس نے دو دن پہلے جو اپنی ایک غزل نیٹ پر اپ لوڈ کی تھی اس کے بارے میں بہت سے لوگوں کے کمنٹ تھے اس کے علاوہ جو اس کا دوسرا مکمل ناول تنہائی کے نام سے شائع ہوا تھا اس کے بارے میں بھی لوگوں کا کافی اچھا ریویو تھا وہ کافی دیر تک یونہی لیپ ٹاپ پر کچھ سرچ کرتا رہا وقت گزر رہا تھا

جوں ہی پانچ بجے وہ جلدی سے کچھ آف کر کے گھر کو تالا لگا کر جنگل کی طرف روانہ ہو گیا اس کا مقصد اس لڑکی سے ملاقات کا تھا جنگل میں پہنچ کر چند منٹ کی تلاش کے بعد اس کے چہرے پر ایک کامیابی کی مسکراہٹ نمایاں ہوئی دراصل اس نے اس لڑکی کو دیکھ لیا تھا وہ اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا تھوڑی دیر بعد وہ اس کے بالکل قریب پہنچ گیا وہ ایک طرف سے ہو کر اس کے سامنے نمودار ہوئی۔

پلیز آج مت غائب ہونا۔

یہ وہ پہلے الفاظ تھے جو سجاول نے اس کو سامنے سے دیکھتے ہوئے ادا کیے وہ لڑکی وہی رک گئی۔۔

تم کون ہو اور مجھے کیوں تنگ کر رہے ہو لڑکی نے سجاول سے مخاطب ہو کر کہا۔

تم پلیز میری بات سن لو سجاول نے اس کے سوال کا جواب دینے کے بجائے پھر اپنی التجا اس کے سامنے گوش گزار دی وہ لڑکی قریبی درخت کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔

تم کون ہو اور یہاں روزانہ کس لیے ہوتی ہو اور یہ کس طرف کہاں جاتی ہو سجاول نے ایک ہی سانس میں دو تین سوال کر ڈالے تھے۔۔

تم یہ کیوں جاننا چاہتے ہو لڑکی نے پوچھا

میں تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں سجاول نے جواب دیا۔

تمہیں کیا لگتا ہے مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے لڑکی نے کہا۔

ہاں پتہ نہیں کیوں مجھے لگتا ہے کہ تم کسی کی تلاش میں ہو اور میں کہیں نا کہیں تمہاری مدد ضرور کر سکتا ہوں تم مجھے بتاؤ تو سہی اپنے بارے میں سجاول نے کہا۔

میرا نام کرن ہے اور میری روح ہے مجھے تو کب کا کسی بے وفا نے دولت کے لالچ میں موت کی گھاٹ اتار دیا تھا جنگل میں آگے میرے خواب کی تعبیر ہے دن بھر کی تلاش کے بعد میں وہاں واپس جا رہی ہوتی ہوں جب تمہاری نظر مجھ پہ پڑتی ہے لڑکی نے آہ بھرتے ہوئے سرد لہجے میں کہا

ادھر جنگل میں آگے تمہارے خواب کی تعبیر ہے۔؟ سجاول نے مزید وضاحت چاہی

یہ جنگل مجھے بہت پسند تھا اس لیے میں نے یہاں ایک بنگلہ تعمیر کروایا تھا یہ جگہ میرا خواب تھی وہ تعبیر کرن نے اپنی بادشاہی کے زمانے کی یاد اس سے تعبیر کی۔

تمہیں قتل کس نے کیا تھا اور کیوں ۔سجاول نے سوال کیا۔

اس دنیا کے بے وفاؤں میں سے ایک بے وفا سے مجھے محبت ہو گئی تھی اور اسے دولت کی ہوس تھی میری ماں میرے بچپن میں ہی فوت ہو گئی تھی صرف باپ ہی تھا اور اس نے میری ہر خواہش ہر خوشی پوری کی تھی جب انہوں نے مجھے زوہیب سے شادی کے لیے کہا تو میں انکار نہیں کر سکی بعد میں مجھے باپ کا فیصلہ اچھا لگنے لگا کیونکہ زوہیب اچھا تھا اور مجھے بھی اس سے محبت ہو گئی تھی مگر میرے باپ کی وفات کے بعد وہ بہت بدل گیا تھا اس کی حرکتیں مشکوک ہو گئی تھیں رات کو دیر سے گھر آتا تھا کبھی کبھی گم جاتا تھا ایک دو بار تو مجھے ایسا لگا جیسے وہ نشے میں ہے جب میں نے سوال کیا تو اس نے جھگڑنا شروع کر دیا اور کہنے لگا کہ وہ میرے سوالوں کا جواب دینے کا پابند نہیں ہے۔

پھر ایک دن وہ میرے پاس آیا اس نے مجھے معافی مانگی اور یقین دلایا کہ وہ بدل چکا ہے میں بھی بہت خوش ہوئی کہ میرے گھر کی خوشیاں لوٹ آئی ہیں اس نے میں تیار ہو جاؤں اور ہم جنگل والے بنگلے میں چلتے ہیں۔ ویسے بھی موسم اچھا تھا میں نہیں جانتی تھی

کہ اس کے دماغ میں کیا چل رہا ہے یہ سب ڈرامہ ہے جو کر رہا ہے ہم بنگلے میں آئے تھوڑا گھومنے پھرنے کے بعد ہم ایک جگہ بیٹھے تھے کہ مجھے پیاس محسوس ہوئی میں نے اس سے پانی کا کہا اس نے مجھے جوس دیا عجیب ذائقہ لگا تھا مجھے میں نے مشکل سے تین گھونٹ بھرے اور پھر مجھے ایسے لگا جیسے میرا گلہ بند ہو رہا ہے دل کام کرنا چھوڑ رہا ہو دو منٹ کی بات تھی کہ زہر نے اپنا کام کر دکھایا اس نے ایک صندوق میں میری لاش ڈال کر اس کو میرے اس خوابوں کے محل میں ایک کمرے میں رکھ دیا اور اپنے تمام ارادے مجھے سمجھا کر چلا گیا پہلے میں اس صدمے سے نہیں نکل سکی پھر میں نے اس سے بدلہ لینے کا فیصلہ کر لیا میں روز ہی اس کی تلاش میں جاتی ہوں ـ ـ ـ کرن نے اپنی کہانی سنائی۔

واقعی ہی تمہارے ساتھ برا ہوا ہے خیر میں تمہیں تلاش کر کے دوں گا زوہیب کو ایسا ہوتا ہے لوگ ہوتے ہیں کچھ جنہیں رشتوں سے زیادہ دولت پیاری ہوتی ہے۔ سجاول نے نڈھال لہجے میں کہا۔

کیوں تمہارے ساتھ بھی کسی نے بے وفائی کی ہے۔ کرن نے سوال کیا۔

ہاں بس کچھ ایسا ہی ہوا ہے میرے ساتھ بھی لیکن خیر میں زوہیب کے بارے میں پتہ کر کے ہی کل تمہیں بتاؤں گا تم مجھے ادھر ہی ملنا۔

ٹھیک ہے۔

اللہ حافظ کہہ کر سجاول واپس آ گیا اور کرن آگے چل دی اگلے دن صبح ہی سجاول شہر کی جانب روانہ ہو گیا زوہیب کا نام اس نے سنا ہوا تھا وہ جس ادارے کے ذریعے اپنے ناول پبلش کرواتا تھا وہ اس کے ایڈیٹر کا دوست تھا وہ امجد صاحب کے پاس گیا پہلے تو ان سے اپنے ناول پہ کچھ گفتگو کی پھر زوہیب کے بارے میں چند معلومات لے کر واپس آ گیا شام ہو رہی تھی کہ وہ جنگل میں گیا وہاں کرن اس کے انتظار میں پہلے سے ہی کھڑی تھی کچھ پتا چلا سجاول کے قریب آتے ہی کرن نے سوال کیا۔

ہاں پتا تو چل گیا ہے لیکن ایک بات ہے وہ سجاول نے کہا۔

کیا بات ہے کرن نے پوچھا

وہ آج شادی کر رہا ہے رات کو اس کا نکاح ہوگا سجاول نے کہا۔

کرن نے ایک سرد آہ بھری۔

تو تم اب کیا کرو گی سجاول نے سوال کیا

بڑی اچھی بات ہے اسے اس کی بیوی سمیت اس رات کے گھاٹ اتاروں گی ذلیل انسان ایسی موت ماروں گی کہ عبرت ہو جائے گی اس کی موت دوسروں کے لیے کرن نے غصے میں کہا۔

تم میری ایک بات مانو گی۔ سجاول نے کہا۔

کیوں نہیں کرن نے کہا۔ تم نے میری اتنی مدد کی ہے۔

تم اس لڑکی کو کچھ مت کہنا جس سے اس کی شادی ہو رہی ہے سجاول نے کہا۔

کیوں۔ کرن نے سوال کیا۔

اس لیے کہ اس میں اس لڑکی سے محبت کرتا ہوں پلیز سجاول نے مختصر سے دو لفظوں

میں وجہ بیان کی۔

کرن نے کہا۔ ٹھیک ہے۔

یہ کہہ کر وہ نم آنکھوں کیساتھ واپس گھر کی طرف چل دیا۔ کرن اپنے مشن کو پورا کرنے کے عزم میں شہر کی طرف چل دی جنگل کے بائیں جانب ایک آبشار تھا وہ اس کے کنارے جا کر بیٹھ گیا اور پہاڑ سے گرتے ہوئے پانیوں کو گھورنے لگا اس نے دماغ میں اس کا ماضی آنے لگا چل مچلنے لگا تھا اس کے لاکھ کوشش کے باوجود بھی وہ ان ہواؤں کا رخ موڑنے میں ناکام رہا۔

کرن زوہیب کے گھر پہنچ چکی تھی زوہیب ایک امیر آدمی تھا لہذہ شادی کی تقریب بھی بہت ہی شاندار تھیں تمام تیاریاں مکمل تھیں بس اب دلہن کی آمد کا انتظار تھا پھر نکاح خواں نے نکاح پڑھانا تھا زوہیب آنے والے مہمانوں کو خوش آمدید کر رہا تھا اور مبارک باد اور پھول وصول کر رہا تھا زوہیب اندر آیا اور عالیہ کو فون ملایا دوسری جانب دوسری طرف سے کال ریسیو ہوئی زوہیب کال ریسیو ہونے کا بے چینی سے انتظار کر رہا تھا۔

ہاں عالیہ کدھر ہو یار اتنی دیر لگا دی سیلون میں فون ریسیو ہوتے ہی اپنا مدعا بیان کر دیا۔

آ رہی ہوں بس ہم پہنچنے والے ہیں۔۔۔ ڈرائیور تیز چلاؤ گاڑی دوسری طرف سے آواز آئی جو کہ عالیہ کی تھی جس سے کچھ دیر بعد زوہیب کی شادی ہونے والی تھی

زوہیب کال کر کے یونہی واپس باہر جانے لگا اچانک مجسمہ بن کر وہی پر جم گیا اس کا جسم جیسے مفلوج ہو گیا اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی نے اس کے جسم کو مضبوطی سے زمین سے جکڑ دیا ہو وہ ذرا برابر بھی حرکت نہیں کر رہا اور خوف اور حیرت کی وجہ سے اس کے جسم میں سنسنیاں سی دوڑنے لگی کیونکہ اسکے سامنے اس کی پہلی بیوی کھڑی تھی۔ کرن جس کو اس نے خود اپنے ہاتھوں سے زہر دیا تھا اور صندوق میں بند کر کے اس کے محل کے تہہ خانے میں رکھ کر تالا لگا دیا تھا اور وہ مرنے سے بچ بھی گئی تھی تو وہاں سے نکلی کیسے اور اس تک کیسے پہنچی مگر اس سے پہلے وہ اپنے سوال اپنی زبان پر لاتا کرن چل کر اس کے قریب آ گئی اس یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس نے اپنی آنکھوں کو ملتے ہوئے اس کی طرف غور سے دیکھا مگر وہ بول رہی تھی۔

اب چاہے آپ اپنی انگلی کاٹیں یا آنکھیں ملیں یہ حقیقت ہی ہے کہ میں آپ کی سابقہ بیوی ہوں اب تو آپ نئی شادی کرنے جا رہے ہیں نا

کرن نے زوہیب سے مخاطب ہو کر طنزیہ لہجے میں کہا اور جا کر ایک طرف بیٹھ گئی

ت۔۔ت۔۔تم یہاں کیسے زوہیب نے بمشکل سے جملہ ادا کیا۔

میں تو نہیں آنا چاہتی تھی وہ بس تمہاری موت لے آئی ہے مجھے یہاں پر۔ یہ الفاظ ادا کرتے ہوئے کرن کرسی سے اٹھ کر زوہیب کے قریب آئی اور خنجر اس کی نظروں کے سامنے سے گزارا زوہیب کی آنکھیں خوف کے باعث سرخ ہو چکی تھیں اس سے پہلے کہ زوہیب مجھے مت مارنا مجھے معاف کر دو کی التجا کرتا کرن نے خنجر اس کے پیٹ میں گھونپ دیا

کیونکہ وہ اسے کسی التجا کا موقع دے دیتی تو اس کی محبت انگڑائی لے لیتی جو اس کی انتقام کی آگ کو کم کر سکتی تھی اس کا حوصلہ پست کر سکتی تھی اس کے ساتھ ہی زوہیب کے منہ سے ایک دل خراش آواز بلند ہوئی اور وہ زمین پر گر گیا لوگ متوجہ ہوئے اور بھاگ کر آواز کے تعاقب میں زوہیب کے کمرے میں داخل ہوئے تو آگے کا منظر دیکھ کر ہر شخص ہی حیرت کی دلدل میں دھنستا گیا

کمرے میں زوہیب کی خون سے لت پت لاش پڑی تھی۔ جبکہ اس کے علاوہ کمرے میں کوئی نہیں تھا کوئی شخص اندازہ نہیں لگا سکتا کہ یہ خودکشی ہے یا قتل اتنے میں عالیہ روتی چلاتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی اور اپنی قسمت پر ماتم کرنے لگی کیونکہ اس نے ایک امیر شخص کے ساتھ شادی اور ایک شاہانہ زندگی گزارنے کے تمام خواب زمین بوس ہو چکے تھے تمام لوگ کمرے سے چلے گئے اب کمرے میں صرف عالیہ تھی یا زوہیب کی لاش

کرن عالیہ کے سامنے آئی اور ایک ایسی لڑکی جو خوبصورت سفید لباس میں ملبوس اور شکل سے بھی قدرے حسین تھی جس کا کچھ پہلے وہاں پر نام و نشان بھی نہیں تھا وہ اچانک کمرے میں کہاں سے آ گئی عالیہ حیران ہو کر کھڑی ہو گئی اس سے پہلے عالیہ کچھ کہتی کرن خود ہی بول پڑی۔

اچھا تو تم ہو جس کی وجہ سے اس مکار شخص نے مجھے چھوڑا تمہارا حال بھی میں ہی کرتی جو اس کا کیا ہے اگر وہ سجاول تم سے پیار کرتا ہوتا تمہیں نہ مارنے کی ریکویسٹ نہ کرتا ویسے تم بھی کتنی خود غرض ہو صرف آسائش کے لیے اور ایک ہائی کلاس کے لیے ایک مخلص محبت کرنے والے کو چھوڑ دیا اگر پیسہ سب کچھ ہوتا تو میری زندگی برباد نہ ہوتی لیکن جو میں نے سبق سیکھا ہے نا تو محبت ہوتی ہے سب کچھ اور یہ پیسہ امیری سب کھوکھلی چیز ہیں سجاول اب تمہیں کبھی لینے نہیں آئے گا مگر تمہارے انتظار میں اس کی آنکھیں اب بھی ہیں ہو سکے تو اس کا ہاتھ تھام لو شاید وہ تمہیں اتنی آسائش نہ دے سکے مگر کبھی دھوکہ نہیں دے گا

اس کے ساتھ ہی کرن وہاں سے غائب ہو گئی عالیہ وہاں سے اٹھی اور اپنے گھر کے طرف چل دی جاتے وقت کرن زوہیب کے کمرے میں ایک خط چھوڑ گئی تھی جس پر لکھا تھا کہ اس کا قتل اس نے خود کیا تھا پرانی دشمنی کی بنا پر اور اسے ڈھونڈنے کی بھی ضرورت نہیں یوں زوہیب کے قتل کا زیادہ واویلا نہیں بنا۔

تمام رات سجاول یونہی بیٹھا رہا وہ اپنے ماضی میں جاتا اور لوٹتا رہا جب سورج کی روشنی پھیلنے لگی تو اس نے ایک نئی صبح کا آغاز کیا اپنے گھر کی جانب روانہ ہو گیا اس کے گھر کا دروازہ کھلا تھا لیکن اس کا دھیان ہی نہیں گیا لیکن جب وہ کمرے میں داخل ہوا تو اسے کچھ عجیب سا محسوس ہوا ہر چیز درست طریقے سے پڑی تھی اور اس کے سامنے صوفے پر عالیہ بیٹھی تھی اس سے پہلے کے سجاول کچھ کہتا عالیہ نے خود ہی بڑھ کر سجاول کا ہاتھ تھام لیا یہ واقعی سجاول کے لیے ایک نئی صبح تھی

حسن شہزادی فتح جنگ۔

تلاش عشق

۔۔۔تحریر۔ریاض احمد لاہور۔۔۔

راج۔۔۔راج۔وہ تقریباً چیختے ہوئے بولی۔یہ دیکھو یہ تو ساحل ہے۔جو ایک قبرستان میں بے ہوش پڑی ہوئی ہے۔لگتا ہے کہ اس نے چلہ کرنے کی کوشش کی ہے اور اس میں وہ بری طرح ناکام ہوئی ہے۔آمنہ نے راج کو جو جو محسوس کیا بتاتی چلی گئی۔اور راج اس کی باتیں سنتا جا رہا تھا اس کو یقین نہیں ہو رہا تھا کہ ساحل کا چلہ ناکام ہو سکتا ہے وہ جانتا تھا کہ ساحل بہت بہادر لڑکی ہے اس نے بہت دنوں میں بہت کچھ دیکھ لیا تھا اس کے دل کو پڑھ لیا تھا اس کے جذبوں کو دیکھ لیا تھا۔یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ہاں راج میں بالکل ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ساحل کی بہت بڑی مشکل میں پھنس گئی ہے وہ بہادر تھی لیکن ایسے کاموں کے لیے بہت حوصلہ چاہیے ہوتا ہے کسی کی باتوں میں آ کر عمل کر لینا بہت حماقت والی ہوتی ہے میں جانتی ہوں کہ اس کے دل میں چلہ کرنے کا شوق تھا وہ بھی یہ سوچتی تھی کہ وہ بھی ہماری طرح ہے ہماری طرح جنات سے لڑے۔لیکن ایسا نہیں ہے اب ہمیں اس کی مدد کرنا ہو گی۔ہمیں اس کو اس مصیبت سے نکالنا ہو گا ہمیں دیر نہیں کرنا چاہیے بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو۔ہمیں ساحل کی مدد کرنا چاہیے۔یہ ایک مشکل کام تھا جو کرنا چاہ رہی تھی لیکن وہ اپنا چلہ میں کامیاب نہیں ہو سکی کیونکہ اس کام میں بہت کچھ سہنا پڑتا ہے بہت کچھ چھوڑنا پڑتا ہے اور وہ یہ کرنے کو بالکل تیار تھی۔اس کے اندر ایک جنون تھا کہ وہ پورا کر پائے گی [illegible] تو کیا ایسا کیا تھا کہ وہ بے ہوش ہو گئی ہے۔ہاں راج میں اس واقعی سمجھ پا رہی ہوں وہ [illegible] لڑکی تھی بہت ہی بہادر سے بہت ہی بہادر وہ بھی ہم جیسا بننا چاہتی ہے یہ اس [illegible] شوق سے وہ چاہتی ہے کہ وہ بھی جنات پر قبضہ کرے اور وہ ایسا کرنا چاہتی تھی [illegible] اس کے اس شوق کو ضرور پورا کریں گے آؤ اس کی مدد کو ہمیں جانا ہے [illegible] اٹھتے ہوئے [illegible] اٹھ کھڑا ہوا اور پھر دونوں نے [illegible] پڑھا اور ان دونوں کے پاؤں زمین سے اٹھنے لگے اور پھر وہ دونوں ہواؤں میں اڑتے ہوئے اس قبرستان میں جا پہنچے جہاں ساحل بے ہوش پڑی ہوئی تھی۔اور اس کے ساتھ ہی ایک قبر کھدی ہوئی تھی جس میں ایک [illegible] مردہ موجود تھا۔وہ دونوں اس کی طرف بڑھنے لگے وہ بے ہوشی کے عالم میں اس قبر کے پاس ہی پڑی ہوئی تھی [illegible] رہی تھی جو اس بات کا ثبوت تھی کہ وہ ابھی زندہ ہے۔راج نے اس کی نبض اچھی طرح چیک کرنے کے بعد [illegible] مردے سے خوف آ گیا ہے۔لیکن [illegible] بات نہیں ہے یہ چلہ کرنے میں کامیاب [illegible]

راج ایک دم اٹھ کر بیٹھ گیا اس کو یوں لگا جیسے اس نے کوئی ڈراؤنا سپنا دیکھ لیا ہو۔
[illegible]



لگتا ہے کچھ ہو گیا ہے۔ کچھ ایسا جو ہم نے کبھی امید نہ کی تھی۔

کیا مطلب۔ آمنہ نے چونکتے ہوئے کہا۔

تم پانی میں اپنا منتر پڑھو۔ اور کچھ دیکھنے کی کوشش کرو۔ راج نے اس کو مشورہ دیا۔

ٹھیک ہے میں ابھی ایسا کرتی ہوں۔

آمنہ نے اٹھ کر ایک طرف جاتے ہوئے پانی کا ایک کٹورا لیا اور اس کو سامنے رکھ کر پڑھنے لگی اور پھر چند ہی لمحوں بعد پانی میں ایک بے ہوش چہرہ اس کو دکھائی دینے لگا۔ اس کی نظریں اس چہرے پر جم سی گئیں چہرہ آہستہ آہستہ واضح ہونے لگا۔ اور پھر جو کچھ اس نے دیکھا وہ چونک گئی۔ اس نے اپنا کٹورا الٹ دیا۔

راج۔۔ راج۔ وہ تقریباً چیختے ہوئے بولی۔ یہ دیکھو یہ تو ساحل ہے۔ جو ایک قبرستان میں بے ہوش پڑی ہوئی ہے۔ لگتا ہے کہ اس نے چلہ کرنے کی کوشش کی ہے اور اس میں وہ بری طرح ناکام رہی ہے۔ آمنہ نے راج کو جو جو محسوس کیا بتاتی چلی گئی۔ اور راج اس کی باتیں سنتا جا رہا تھا اس کو یقین نہیں ہو رہا تھا کہ ساحل کا چلہ ناکام ہو سکتا ہے وہ جانتا تھا کہ ساحل بہت بہادر لڑکی ہے اس نے بہت دنوں میں بہت کچھ سیکھ لیا تھا اسکے دل کو پڑھ لیا تھا اس کے جذبوں کو دیکھ لیا تھا

لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے۔

ہاں راج میں بالکل ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ ساحل کسی بہت بڑی مشکل میں پھنسنے والی ہے وہ بہادر ہے لیکن ایسے کاموں کے لیے بہت حوصلہ چاہیے ہوتا ہے کسی کی باتیں سن کر اس پر عمل کر لینا بہت حماقت والی ہوتی ہے میں جانتی ہوں کہ اس کے دل میں چلہ کرنے کے لیے جذبہ تھا وہ بھی چاہتی تھی کہ وہ بھی ہماری طرح بنے ہماری طرح جنات سے لڑے۔ لیکن وہ ایسا نہ کر سکی ہمیں اس کی مدد کرنا ہوگی۔ ہمیں اس کو اس مصیبت سے نکالنا ہوگا ہمیں دیر نہیں کرنا چاہیے

ہاں۔ تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ ہمیں ساحل کی مدد کرنا چاہیے۔ یہ ایک مشکل کام تھا جو کرنا چاہ رہی تھی مجھے پتہ تھا کہ وہ اپنا چلہ میں کامیاب نہیں ہو سکے گی کیونکہ اس کام میں بہت کچھ سہنا پڑتا ہے بہت کچھ دیکھنا پڑتا ہے اور وہ ایسا کرنے کو بالکل تیار تھی۔ اس کے اندر ایک جنون تھا جسے وہ پورا کرنا چاہتی تھی۔ لیکن یہ سب کیسے ہو گیا ایسا کیا تھا کہ وہ بے ہوش ہو گئی ہے۔

ہاں راج میں اس کو اچھی طرح جانتی ہوں وہ کمزور دل کی نہیں ہے بہت ہی بہادر ہے بہت ہی بہادر وہ بھی ہم جیسا بننا چاہتی ہے یہ اس کا جنون ہی نہیں ہے بلکہ شوق ہے وہ چاہتی ہے کہ وہ بھی جنات پر قبضہ کرے۔ اور وہ ایسا کرنا چاہتی ہے اور ہم اس کے اس شوق کو ضرور پورا کریں گے چلو اس کی مدد کو چلیں۔ آمنہ نے اٹھتے ہوئے کہا اور راج بھی اٹھ کھڑا ہوا اور پھر دونوں نے کچھ پڑھا اور ان دونوں کے پاؤں زمین سے اٹھنے لگے اور دونوں ہی ہواؤں میں اڑتے ہوئے اس قبرستان میں جا پہنچے جہاں ساحل بے ہوش پڑی ہوئی تھی۔ اور اس کے ساتھ ہی ایک قبر کھدی ہوئی تھی جس میں ایک کفن پوش مردہ موجود تھا۔ راج نے وہاں اترتے ہی تمام حالات کا جائزہ لیا آمنہ نے ساحل کو چیک کیا اس کی سانسیں چل رہی

تھیں دل کی دھڑکن تیزی سے چل رہی تھی۔ وہ تیزی سے اٹھی اور قبرستان میں ادھر ادھر گھومنے لگی تب اس کو ایک پانی کا نل دکھائی دیا اس نے وہاں سے پانی لیا اور ساحل کی طرف دوبارہ آ گئی وہ پانی اس نے اس کے چہرے پر چھینٹا تو ساحل کا بے ہوش جسم حرکت میں آنے لگا۔ اس نے دھیرے دھیرے آنکھیں کھول دیں۔

وہ۔۔۔وہ۔۔۔ وہ مجھے، ردے گا۔ ساحل کی کانپتی ہوئی آواز قبرستان کے سناٹے میں گونجی۔

کوئی تم کو نہیں مارے گا ہم آ گئے ہیں اور ہمارے ہوتے ہوئے کوئی بھی تم کو نقصان نہیں پہنچا سکتا لیکن بتاؤ کہ ہوا کیا تھا۔

ساحل نے ان کو تمام ستوری سنا دی کہ کیسے اس قبر کا مردہ اس کی طرف سفید آنکھیں کھولے دیکھنے لگا تھا۔ یوں جیسے ابھی وہ قبر سے باہر نکلے گا اس کو مار ڈالے گا۔ چلہ میں نے مکمل کر لیا تھا بس اپنے اوپر پھونکنے والی تھی کہ یہ واقعہ رونما ہوا۔ چلہ کا مکمل ہونے کا سن کر ان دونوں کو سکون ملا ورنہ وہ مجھ رہے تھے کہ کچھ بھی اس کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ انہوں نے اس کو تسلی دی اور کہا۔

اگر تمہارا چلہ پورا ہو گیا تھا تو پھر تم کو ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اب تمہاری زندگی کو کوئی خطرہ نہیں ہے بس تم اپنے دل کو مضبوط رکھنا ایسے کاموں میں ایسی چیزیں سامنے آتی رہتی ہیں یہ کچھ بھی نہیں ہیں لیکن خوفزدہ کر دیتی ہیں اگر انسان ان کے خوف میں آ جاتا ہے تو تب یہ چھوڑتی نہیں ہیں اس کو مار کر دم لیتی ہیں۔ یہ دیکھو یہ قبر بھی بند ہے اور اس میں نظر آنے والا مردہ بھی مٹی میں دبا ہوا ہے۔ اس نے تم کو ڈرانے کی کوشش کی اور اس میں وہ کامیاب بھی ہوا لیکن یہ تمہارے لیے بہتری تھی کہ تم نے اپنا چلہ مکمل کر لیا تھا۔ ان کی باتیں سن کر ساحل نے ایک پر سکون سانس لی۔

تم دونوں بہت اچھے انسان ہو۔ تم لوگوں کو دیکھ کر ہی میں نے اپنے دل ایسے جذبوں کو پالا ہے میں بھی چاہتی ہوں کہ۔ میں بھی تمہاری طرح بن جاؤں تمہاری طرح بلاؤں میں اژدوں اور جنات کا مقابلہ کروں ان سے لڑوں ان کا خاتمہ کروں۔ ساحل کی باتیں سن کر وہ دونوں ہنس پڑے۔

ہاں ساحل تم ایک نہ ایک ایسا کرو گی ہم نے دیکھ لیا ہے کہ تمہارے اندر بھی جنون ہے اور جن کے دلوں میں جنون ہوتا ہے وہ ہر وہ کام کر گزرتے ہیں جو مشکل سے مشکل ہوتا ہے تم اپنے چلے میں کامیاب ہو چکی ہو۔ اور اب ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے تم دیکھنا رات کو یہ مردہ تمہارا غلام بن کر تمہارے سامنے آئے گا۔

کیا کیا۔ آمنہ کی بات سن کر وہ خوشی سے چہک سی گئی۔

ہاں۔ وہ تمہیں مارنے کے لیے قبر سے باہر نہیں نکل رہا تھا بلکہ تمہیں کہنے والا تھا کہ اب میں تمہارا غلام ہوں جو کام کہو گی وہ میں کروں گا لیکن تم شاید ڈر گئی تھی۔

واقعی میں کامیاب ہو گئی ہوں اور یہ مردہ میرا غلام بن گیا ہے ساحل نے بے یقینی سی کیفیت میں کہا۔

ہاں۔ تم کامیاب ہو گئی ہے۔ اٹھو اب گھر چلو۔ آمنہ نے کہا اور وہ اٹھ گئی۔

آمنہ بہن۔ چلے کرنا بہت ہی مشکل کام ہے میں نے اپنے شوق کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ کام کر تو لیا

ہے لیکن سوچتی ہوں کہ مجھے ایسا کام نہیں کرنا چاہیے تھا۔ مجھے ابھی تک اپنے زندہ ہونے کا یقین نہیں آرہا ہے لیکن ہوں میں کیسے بچ گئی یہ بھی میرے لیے بہت اہم بات ہے یعنی مجھے دوبارہ زندگی ملی ہے میں نے موت کو بہت ہی قریب سے دیکھا ہے میں جانتی ہوں کہ میں نے خود کو کیسے سنبھالا تھا۔ ساحل کا جسم خوف سے ابھی تک برف بنا ہوا تھا اور دونوں اس کی طرف دیکھ ہی رہے تھے اور ہنس رہے تھے اس کی باتوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

ساحل بہن ایسے کاموں میں بہت سی مشکلات آتی ہیں جن کو سر کرنا پڑتا ہے اور تمہاری ہمت ہے کہ تم نے کامیابی حاصل کی۔ ورنہ ناکامی کی صورت میں کچھ بھی ہوسکتا ہے۔ آمنہ نے اس کی ہمت بندھاتے ہوئے کہا۔ میں نے بہت چھوٹی عمر میں یہ چلے والے کام کرنا شروع کیے تھے اس کے پیچھے میرا شوق بھی تھا اور مجبوری بھی تھی۔ اور یہ میں جانتی ہوں کہ میں کیسے اس میں کامیاب ہوئی تھی لیکن تم فکر نہ کرو تمہارے اندر بھی آج طاقتیں آ گئی ہیں تم نے بھی ایک کفن پوش مردہ کی طاقت اپنالی ہے اب تم کو ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بس دیکھتی جاؤ اپنی کامیابی کو۔

ساحل کو ان کی باتوں کا یقین نہیں ہو رہا تھا کہ واقعی وہ کامیاب ہوگئی ہے لیکن یہ ایک حقیقت تھی وہ کامیاب ہوئی تھی اور ان کے ساتھ چل رہی تھی۔ پھر وہ چلتے چلتے قبرستان سے باہر نکل گئے۔

کمرے میں ایک بھیانک چیخ کی آواز سنائی دی یہ خوف میں ڈوبی ہوئی چیخ سحر کی تھی۔ اس کی چیخ کی آواز سن کر اس کے امی ابو جو اپنے کمرے میں آرام کی نیند سو رہے تھے کانپ اٹھے اور اٹھ کر اس کے کمرے کی طرف بھاگے اور اس کا دروازہ پیٹنے لگے ان کے چہروں پر خوف تھا وہ جان گئے تھے کہ سحر ان کی بیٹی آج پھر ڈر گئی ہے۔ جب سے سحر سیر کر کے واپس آئی تھی تب سے اس کو رات کو ڈراؤنے خواب دکھائی دے رہے تھے وہ ہر روز ہی ڈر جاتی تھی لیکن اس کے باوجود بھی وہ اپنے کمرے میں اکیلی ہی سوتی تھی لیکن آج جو چیخ اس کے کمرے سے گونجی تھی اس سے پہلے ایسی آواز اس کے کمرے سے نہ گونجی تھی وہ ہر روز صرف اتنا بتاتی تھی کہ مجھے راتوں کو ڈر سے خوف آتا ہے لیکن آج تو اس کے منہ سے چیخ کی گونج سنائی دی تھی۔

بیٹی دروازہ کھولو بتاؤ کیا ہوا ہے تم کو تم کیوں چیخی ہو۔ ماں نے باہر سے ہی آواز دی۔ سحر نے جلدی سے بیڈ سے اٹھ کر دروازے کی بند کنڈی کو کھول دی اور اپنی ماما سے لپٹ گئی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے وہ بلک بلک کر رونے لگی۔

کیا ہوا بیٹی۔ کیا ہوا ہے تم کو ماما نے سحر کو اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔

ماما۔ وہ۔ وہ۔ وہ مجھے مار دے گا۔

کون۔ بیٹی کون تمہیں مار دے گا۔

وہ۔ ماما وہ۔۔ جو ہر روز میرے خوابوں میں آتا ہے میں نے اس کو دیکھا ہوا ہے وہ ظالم ویمپائر ہے۔ اس کی نظر اب مجھ پر لگ گئی ہے۔ وہ جس کسی کے پیچھے پڑ جاتا ہے اس کی جان لے کر ہی چھوڑتا

ہے مجھ سے پہلے اس نے میری دو تین ساتھیوں کو مار دیا ہے اور اب۔ اب وہ۔ ماما آج میں نے خواب نہیں دیکھا تھا اس کو حقیقت میں دیکھا تھا وہ میرے بیڈ کے پاس ہی کھڑا تھا اس کا حسین چہرہ بدلا ہوا تھا ایک سیاہ ہیولے کا روپ دھارے وہ میرے بیڈ کے پاس کھڑا تھا۔ سحر باتیں کرتے کرتے رونے لگی۔ ماں بھی اس کی باتیں سن کر خوفزدہ ہوگئی۔ اسکو بھی کمرے سے خوف سا محسوس ہونے لگا وہ بار بار کمرے کی درودیوار کو دیکھنے لگی۔ پھر سحر سے بولی۔

بیٹی تم کو میں نے کئی بار منع کیا تھا کہ تم اس جنگل میں نہ جاؤ لیکن تم نے میری ایک نہ سنی اب تم نے مجھے بھی پریشان کر دیا ہے۔ تم کچھ بھی نہیں جانتی ہو میں جانتی ہوں یہ جو آسیبی چیزیں ہوتی ہیں یہ کسی بھی حسین لڑکی کو دیکھ کر اس پر عاشق ہو جاتی ہیں اور پھر اس کو مار دیتی ہیں۔ تمہاری ضد کے آگے میں ہار گئی تھی کیونکہ تم بار بار ایک بات کی ضد کرتی جا رہی تھی کہ تمہاری دوستیں جا رہی ہیں اور تمہیں بھی جانا ہے میں نے روکنا چاہا لیکن روک نہ پائی۔ تمہارے جانے کے بعد میں تمہارے لیے دعائیں کرتی رہی کہ خدا تم کو خیریت سے گھر لائے لیکن شاید میری دعا قبول نہ ہو سکی تھی۔ پتہ نہیں وہ سایہ کس کس کو اپنے جال میں پھنسائے گا۔ پھر وہ اپنے خاوند سے مخاطب ہوئی۔

سحر کے پاپا صبح ہوتے ہی میری بچی کو کسی عامل کے پاس لے جانا میں اس کی حالت دیکھ کر کانپ جاتی ہوں کتنی پیاری ہوتی تھی اور جب سے یہ آئی ہے میں نے اس کے لبوں پر مسکراہٹ نہیں دیکھی ہے ڈری ڈری رہتی ہے ایسے لگتا ہے کہ جیسے کسی کا اس کو خوف ہے اور ایسا خوف جو اس کی جان نہیں چھوڑتا ہے۔

ٹھیک ہے میں صبح ہی اس کو کہیں لے کر جاؤں گا۔ اسی شہر میں ایک بہت پہنچے ہوئے بزرگ ہیں میں ان کے پاس لے کر جاؤں گا۔ اس کو کئی بار کہا ہے کہ ہمارے پاس ہی سویا کرے لیکن یہ اپنی ضد پر اڑی ہوئی ہے۔ تم اس کے پاس ہی سو جاؤ۔ باپ نے کہا۔

ماما کی بات سن کر سحر اپنی پچھلی یا نئی زندگی کی داستان سامنے آگئی۔ وہ سایہ اس پر بھی عاشق ہوا تھا اور پھر اس کے جو جو بیتی وہ بھی جانتی تھی اس کی وجہ سے ہی ہم سب پر اتنی آفت بیتی تھی کہ۔ سحر کانپ کر رہ گئی اور پھر ایک گہری سانس لے کر رہ گئی۔ اس کو کچھ بھی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے کیا نہ کرے۔ کیونکہ وہ جان چکی تھی کہ اس کے ساتھ کچھ نہ کچھ ہونے والا ہے۔

ماما۔ وہ کچھ سوچتے سوچتے بولی۔

ہاں بیٹی بولو۔

علی نہیں آیا ہے۔

صبح آ جائے گا۔ اس کا رات کو فون آیا تھا وہ بھی آج کل پریشان رہتا ہے۔ وہ بھی بتا رہا تھا کہ اس کے ساتھ بھی کچھ ایسے واقعات ہو رہے ہیں جو اس سے قبل کبھی نہیں ہوتے تھے۔ لیکن بیٹی حیرت والی بات تو یہ ہے کہ تم کہہ رہی تھی کہ وہ آج تمہاری خواب میں نہیں آیا ہے حقیقت میں آیا ہے۔

ہاں ماما ایسا ہی ہوا ہے۔ میں نے اس کو اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ وہ میرے بیڈ کے پاس ہی

کھڑا تھا اس کے دو سیاہ ہاتھ میری گردن کی طرف بڑھ رہے تھے میری آنکھ کھلی تو وہ میرے سامنے تھا سحر نے ایک بار پھر ڈرے لہجے میں کہا۔

چل تو سو جا میں تیری حفاظت کرتی ہوں دیکھتی ہوں کہ وہ کون ہے اور کیا چاہتا ہے اگر مجھے دکھائی دیا تو میں اس سے تیری زندگی کی بھیک مانگوں گی ماں نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ اور سحر بھی ماما کی بات سن کر پریشان سی ہوگئی لیکن چپ رہی اس نے زبان سے کچھ بھی نہ کہا۔ اور پھر باقی رات کا حصہ ایسے ہی بیت گیا اس کی ماں اس کے پاس ہی لیٹ گئی تھی اور پھر کب دونوں کو نیند آ گئی تھی دونوں ہی نہیں جانتی تھیں صبح سحر کی آنکھ اس وقت کھلی۔ جب کوئی دروازے کو زور زور سے پیٹ رہا تھا۔ وہ سمجھ گئی کہ علی ہی ہوگا کیونکہ ایسے دروازے کو وہ ہی پیٹتا تھا۔ وہ تیزی سے کمرے سے باہر نکلی اور جا کر دروازہ کھول دیا سامنے علی ہی تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا نظریں چار ہوئیں لیکن علی کو سحر کی نظروں میں خوف دکھائی دیا۔

ارے کیا ہوا ہو گیا ہے تم اتنی خوفزدہ کیوں ہو۔ علی نے سحر کی حالت دیکھتے ہی پوچھا جو خوفزدہ کھڑی اس کو ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔

میں نے کچھ پوچھا ہے علی نے اسکو جیسے جھنجھوڑا۔

وہ۔ وہ کچھ نہیں۔ تم اندر آؤ اس نے دروازے سے ایک طرف ہٹتے ہوئے کہا۔

اندر تو میں آ جاؤں گا۔ لیکن بتاؤ تو سہی ہوا کیا ہے تمہیں تمہارا چہرہ کیوں اترا ہوا ہے۔

علی۔ وہ خود کو سنبھالتے ہوئے بولی۔

ہاں ہاں بولو کیا ہوا ہے تمہیں اور یہ تمہارا چہرہ بتا رہا ہے کہ تم ابھی رو کر آ گئی ہوں۔

ہاں روئی ہوں اور بہت زیادہ روئی ہوں علی وہ مجھے مار دے گا۔

کون مار دے گا تم کو۔

وہ۔ وہ علی۔ تم ہانیہ کی زندگی کے بارے میں جانتے ہی ہو ناں۔

ہاں۔ لیکن یہ تم نے ہانیہ کا قصہ کیوں چھیڑ دیا ہے اپنے بارے میں بتاؤ۔

اپنے بارے میں ہی بتانے لگی ہوں لیکن ہانیہ کا قصہ ضروری ہے جس طرح وہ سایہ اس کے خوابوں میں آکر اس کو پریشان کرتا تھا پھر وہ حقیقت میں اس کے سامنے آنے لگا تھا بالکل اسی طرح وہ کئی دنوں سے میرے خوابوں میں آ رہا ہے۔ اور آج وہ خواب میں نہیں آیا تھا حقیقت میں آیا تھا میں نے اس کو اپنے کمرے میں اپنے بیڈ کے پاس دیکھا ہے۔

کیا کیا۔ علی اس کی بات سن کر پریشان ہوگیا۔ اتنی دیر اس کی ماما بھی آ گئی۔

آنٹی سنا ہے آپ نے یہ کیا کہہ رہی ہے۔

کیا کہہ رہی ہے۔ ماں نے پریشان ہو کر کہا۔ کیونکہ وہ سمجھ رہی تھی کہ ہو سکتا ہے کہ سحر نے کوئی ایسی بات علی کو بتا دی ہو جو اس نے مجھے نہ بتائی ہو۔

آنٹی وہ سایہ اس کے خوابوں سے نکل کر حقیقت میں اسے دکھائی دینے لگا ہے۔

ہاں۔ ماں نے ایک گہری سانس لی۔ ہاں مجھے بھی اس نے یہی سب بتایا ہے۔ میں خود اس کی وجہ سے فکرمند ہوں اس کے پاپا کو کہا ہے وہ آج جائیں گے کسی بزرگ کے پاس۔

آنٹی ان کو کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے ہم ایک بزرگ کو جانتے ہیں وہ بہت ہی پہنچے ہوئے بزرگ ہیں انہوں نے پہلے بھی ہماری مدد کی تھی۔ آپ فکر نہ کریں میں اسکو ٹھیک کر دوں گا۔ علی نے آنٹی کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

ٹھیک ہے بیٹا اس کے پاپا سے بات کر لو جیسے وہ کہیں ویسا ہی کر لینا۔

ٹھیک ہے۔ پھر وہ اس کے پاپا سے ملا تو اس بزرگ کے بارے میں بتایا اور کہا کہ میں خود اس کو لے جاتا ہوں۔ وہ مان گئے اور یوں وہ بزرگ کے پاس جانے کے لیے تیار ہو گئے۔

تم کیا سمجھتی ہو کہ تم میرے ہاتھوں سے بچ جاؤ گی۔ سحر کو اپنے کمرے میں اسی سائے کی آواز سنائی دی اس نے اپنی آنکھیں کھول لیں۔ اور سامنے کا منظر دیکھ کر وہ کانپ کر رہ گئی وہ سایہ اس کے بیڈ کے پاس ہی کھڑا تھا وہ چلانا چاہتی تھی لیکن خوف کی وجہ سے چیخ نہ پائی۔ اس کی سانس جیسے حلق میں ہی پھنس کر رہ گئی۔ اگر تم بزرگ سے تعویذ لے آئی تو شاید تم کو مارنے کے لیے مجھے کتنے دنوں تک انتظار کرنا پڑتا۔ تو اچھا ہوا ہے کہ وہ بزرگ تم کو ملے نہیں۔ مجھے ایک خون کی ضرورت ہے کئی دنوں سے مجھے کسی کا خون پینے کو نہیں ملا ہے۔ اور میری نظریں تم پر تھیں کیونکہ مجھے میرے چلے سے پتہ چلا تھا کہ تمہارا خون ہی میرے لیے اہم ہے۔

نہیں نہیں تم مجھے مار نہیں سکتے ہو۔ سحر نے ڈرے ہوئے انداز میں کانپتے ہوئے کہا۔

ہاہاہا۔ ہاہاہا۔ اس کے منہ سے ایک بھیانک قہقہہ بلند ہوا نہیں ہی تو مارنا ہے مجھے۔ تیرا ہی خون تو مجھے پینا ہے۔ بھلا تم مجھ سے کیسے بچ سکتی ہو۔ اتنا کہہ کر وہ سحر کے قریب ہونے لگا سحر نے اٹھ کر بھاگنا چاہا لیکن ناکام رہی۔ اس نے اس کی گردن سے مضبوطی سے پکڑا تھا اور وہ پھر اس نے اپنے زہریلے دانت اس کی گردن میں رکھ دیئے۔ سحر پوری طرح تڑپی اور پھر دھیرے دھیرے وہ اس کے ہاتھوں میں ٹھنڈی ہوتی چلی گئی۔

راج۔ آمنہ نے یکدم کانپتے ہوئے کہا۔

کیا ہوا کیا ہوا۔ راج آمنہ کی بات سن کر ایک دم اٹھ بیٹھا۔

وہ دیکھو لال آندھی چل رہی ہے۔ پورا آسمان لال ہو گیا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ جیسے کسی بے گناہ کا قتل ہو گیا ہے۔ آمنہ نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ راج نے بھی آسمان کی طرف دیکھا تو وہ بھی دیکھتا ہی رہ گیا۔ اتنے میں وہ لال آندھی جو آسمان پر چھائی ہوئی تھی اور چاروں طرف اپنے ساتھ گرد لیے آ رہی تھی ان کے پاس پہنچ گئی۔ اور اس میں ایک ہیولا ان کو دکھائی دیا یہ ہیولا اسی کا تھا۔ ہاں ان کے دشمن کا ہیولا۔ اس کے کندھے پر ایک لٹکا ہوا ایک مردہ جسم تھا جس کی گردن کٹی ہوئی

تھی اس کے کپڑے خون سے تر ہو رہے تھے۔ اس کے بازو جھول رہے تھے۔ بال نیچے کو لٹک رہے تھے وہ دونوں اس ہیولے کو دیکھ کر ڈر گئے۔

ہاہاہا۔ ہاہاہا۔ تم نے ٹھیک اندازہ لگایا ہے کہ کسی بے گناہ کا قتل ہوا ہے اور وہ میں نے کیا ہے تمہاری ایک ساتھی کو میں نے قتل کر دیا ہے اس کو خون پی کر آیا ہوں اور اس کا گوشت کھاؤں گا اس نے سحر کے مردہ جسم کو ان کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ اب مجھ سے کوئی بھی نہیں بچ سکے گا تم لوگوں کی وجہ سے میں نے کئی ماہ بہت کرب میں گزارے ہیں تم لوگ اپنی طاقتیں بڑھاتے رہے ہو تو میں بھی اپنی طاقتیں بڑھاتا رہا ہوں اب دیکھتا ہوں کہ جیت کس کی ہوتی ہے۔ ایک ایک کر کے میں تم سب کو ماروں گا کسی کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا جس طرح سحر کا حال کیا ہے اسی طرح تم سب کا بھی کروں گا۔ دیکھو یہ بھی کل کو تمہاری طرح زندہ تھی لیکن آج۔ ہاہاہا۔ ہاہاہا۔ اس کا خون میری رگوں میں آ چکا ہے اور اب اس کا گوشت بھی میرے پیٹ میں جائے گا بس اس کے بعد اس کا نام ونشان ختم ہو جائے گا جیسے آپ کی سحر بھی دنیا میں آئی تھی اور ایسا ہی حال آپ لوگوں کا کروں گا۔ اب تمہارا کوئی کسی قسم کا بھی چلہ مجھے کچھ بھی کہہ نہ سکے گا کیونکہ جو چلہ میں کر چکا ہوں وہ تمہارے تمام چلوں پر بھاری ہے۔ یقین نہیں آتا تو ایک جھلک دکھاتا ہوں اتنا کہہ کر اس ہیولے نے منہ میں کچھ پڑھ کر آمنہ پر پھونک ماری تو آمنہ کو ایک جھٹکا سا لگا اور وہ مدہوشی کے عالم میں ایسے اس کی طرف جانے لگی جیسے وہ اس کی فرمانبردار ہو۔ جیسے وہ اس کے اشارے کی محتاج ہو۔ راج یہ سب دیکھ کر حیرت میں ڈوبتا چلا گیا۔ وہ اٹھا اور تیزی سے آمنہ کی طرف بھاگا اور اس کو چھوا آمنہ یہ کیا کر رہی ہو۔ لیکن دوسرے ہی لمحے اس کا ہاتھ راج کے منہ پر اپنے گہرے نشان چھوڑ گیا۔ وہ اپنی گال پر ہاتھ اس کو دیکھتا رہ گیا۔

ہاہاہا۔ ہاہاہا۔ دیکھ لیا۔ ہاں دیکھ لیا تم نے کتنی طاقت ہے مجھ میں ایک لمحہ میں میں اس کو اٹھا کر کہیں بھی لے جا سکتا ہوں لیکن میں ایسا کروں گا نہیں۔ کیونکہ آج کی خوراک میں نے حاصل کر لی ہے۔ اس کی باری بھی آ جائے گی اور تمہاری بھی آ جائے گی۔ اتنا کہہ کر اس نے سحر کی لاش کو اٹھایا اور ایک طرف چلنے لگا اور چلتے چلتے وہ اندھیرے میں ہی کہیں غائب ہو گیا۔ آمنہ جو اس کے سحر میں ڈوب چکی تھی اس کے جاتے ہی وہ دوبارہ ہوش میں آ گئی اور راج کی طرف بھاگی۔

راج راج یہ مجھے کیا ہو گیا تھا مجھے نہیں پتہ کہ میں کیا کر رہی ہوں میرے ہوش قائم تھے میں محسوس کر رہی تھی کہ میں اس کی طرف بڑھ رہی ہوں اور میرا ہاتھ تم پر بھی اٹھا تھا یہ میں نے جان بوجھ کر نہیں کیا تھا بس مجھ سے انجانے میں ہو گیا تھا۔

وہ بولتی جا رہی تھی جبکہ راج سنتا جا رہا تھا اس کو اپنے لگے ہوئے تھپڑ سے غرض نہ تھی وہ سوچ رہا تھا کہ وہ ہیولا اپنے ساتھ کیسی طاقت کو لایا ہے جو لمحوں منٹوں میں ہی اتنا کچھ کر گیا ہے ایک لمحہ میں اس نے آمنہ کو اپنی طرف مائل کر لیا۔ اس کو مدہوش کر کے نہ مجھ سے دور کر دیا بلکہ میرا دشمن بنا دیا۔ کئی سوال اس کے دل میں اپنے گہرے اثرات چھوڑ چکے تھے۔

ہاہاہا۔ میں بھی کتنی پاگل ہوں ڈپی حاصل کی ہوئی طاقت ہی میں ڈر گئی تھی۔ اور اپنے ہوش کھو گئی تھی۔ ساحل اکیلی بیٹھی ہوئی اپنی حماقت پر مسکرا رہی تھی اس کو یقین نہیں ہو رہا تھا کہ وہ کامیاب ہو گئی ہے اور اس نے وہ طاقت اپنا لی ہے جو اس نے چاہی تھی۔ پھر بھی میں ڈر گئی۔ ہاہاہا۔ وہ ایک بار پھر ہنس دی۔ اور پھر خود ہی بولی آج میں قبرستان جاؤں گی۔ اس مردے کے پاس اس کو حکم دوں گی کہ وہ مجھے ہوا میں اڑائے۔ جو جو میں نے خواب دیکھے ہیں وہ پورے کرنے ہیں میرا خواب ہواؤں میں اڑنا ہے اور وہ میں کروں گی اب وقت آ گیا ہے کہ میں لوگوں کی نظروں سے روپوش ہو سکوں ہوا میں اڑوں اور میرے اشارے پر ہر کام ہو جائے بس۔ ساحل اپنے دل کے تمام پلان سوچ سوچ کر خوش ہو رہی تھی۔ اسے رات ہونے کا انتظار تھا اور ابھی کافی وقت پڑا تھا رات ہونے میں یہ وقت اس کے لیے اذیت بنتا جا رہا تھا۔ ایک ایک لمحہ اس کو صدیوں کے برابر معلوم ہو رہا تھا لیکن وقت کا کام گزرنا ہوتا ہے وہ گزرتا جا رہا تھا اور پھر شام سے رات ہوئی وہ کالی چادر اوڑھے گھر سے باہر نکل گئی اس کا رخ قبرستان کی طرف تھا۔ اسی قبرستان کی طرف جہاں اس نے چلہ کیا تھا۔ اپنے چاروں طرف دیکھتی ہوئی وہ تیزی سے قبرستان کی جانب بڑھتی جا رہی تھی۔ اور پھر وہ اپنی مخصوص قبر کے پاس جا پہنچی اس نے ایک نظر قبر پر ڈالی قبرستان کی خاموشی نے اس کے دل کو خوفزدہ تو کیا لیکن پھر وہ سنبھل گئی۔ اس کی تمام توجہ قبر پر تھی۔ جس پر ایک سفید کفن پوش مردہ لیٹا ہوا تھا۔ وہ اس قبر کو گہری نظروں سے دیکھ رہی تھی پھر اس نے اپنا ورد پڑھنا شروع کر دیا۔ اور کچھ ہی دیر میں قبر کی مٹی ہلنے لگی اس کی نظریں اس قبر پر جمی ہوئی تھیں۔ پہلے آہستہ آہستہ پھر مٹی اڑنے کا عمل تیزی سے شروع ہو گیا مٹی ایسے اڑنے لگی جیسے کوئی تیز آندھی چلنے لگی تھی وہ حیران ہو رہی تھی کہ یہ یکدم کیا ہو گیا ہے اتنا تیز طوفان لیکن یہ طوفان صرف قبر کی حد تک تھا اس کی اڑتی ہوئی مٹی ایک طوفان کا روپ اپنائے ہوئی تھی۔ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے قبر خالی ہو گئی اس میں سفید کفن اس کو واضح دکھائی دینے لگا دل دہلنے لگا وہ کوشش کرنے لگی خوف کی نئی پرچھائیاں اس کے جسم کو چھوتے ہوئے لرزنے لگیں لیکن آج اس نے ثابت قدم رہنے کی ٹھان لی تھی۔ اس نے دل میں پختہ فیصلہ کر رکھا تھا کہ کچھ بھی ہو جائے اس نے آج اس مردے کو اپنا غلام بنانا ہے اور اس سے ہر وہ کام کروانا ہے جو اس کے دل میں ہے۔ اس کی تمام توجہ اس سفید کفن پر تھیں اور کفن بھی تیز ہواؤں کے دوش اڑنے لگا اس میں موجود مردے کا وجود پھڑپھڑانے لگا کفن اس کے منہ سے ہٹ گیا دو سفید آنکھیں ہاں چمکتی ہوئی سفید آنکھیں جو اور آنکھیں اس کو تکتی ہوئی دکھائی دینے لگیں اس کے خوف کے تمام بندھن ٹوٹ گئے برداشت ختم ہو گئی وہی خوف اس کے سر پر سوار ہو گیا اور وہ چمکتی ہوئی سفید آنکھوں کو نہ دیکھ پائی اس سے قبل کے وہ بے ہوش ہو جاتی۔ اس کو آواز سنائی دی بیٹی ہمت سے کام لو کل کی طرح آج بھی موقع ہاتھ سے نہ جانے دو یہ تم کو کچھ بھی نہیں کہے گا بلکہ تمہارے حکم کا پابند ہو گا خود کو سنبھالو یہ اب عام مردہ نہیں رہا ہے اس میں تمہارے ورد کی طاقت آ چکی ہے یہ دوسرے مردوں سے ہٹ کر ہو چکا ہے۔ بس ثابت قدم رہو

آواز اسی بزرگ کی تھی جس نے اس کو ورد پڑھنے کے لیے دیا تھا۔ آواز سنتے ہی وہ سنبھل گئی اور پھر مردے کی چمکتی ہوئی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے لگی اور مردے کے ہاتھ حرکت کرنے لگے اس کا جسم کانپتے ہوئے ہلنے لگا۔ وہ ایک جھٹکے کے ساتھ اٹھ کر بیٹھ گیا اور اپنی سفید آنکھوں سے اسے دیکھنے لگا۔ کافی دیر تک وہ ایسے ہی اس کو دیکھتا رہا۔ ساحل نے اپنی آنکھوں کو کچھ دیر کے لیے بند کرلیا ڈر اس کے دل میں ایک بار پھر ابھر آیا تھا وہ ثابت قدم رہنا چاہتی تھی۔ جس میں وہ کامیاب ہوگئی۔ مردہ اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

آپ نے مجھے کیوں نیند سے بیدار کیا ہے۔ مردے کے لب ہلے اور اس میں سے اڑتے ہوئے الفاظ ساحل کے کانوں سے ٹکرائے۔

مجھے آپ سے کچھ کام تھا۔ ساحل گویا ہوئی۔

ہاں بولو کیا کام ہے۔

میں چاہتی ہوں کہ تم وہی کچھ کرو جو میں کہوں۔

ٹھیک ہے۔ میں ایسا کروں گا۔ اور کچھ۔

ساحل یہ سن کر خوش ہوئی اور بولی۔ مجھے ہواؤں میں اڑنے کا بہت شوق ہے میں چاہتی ہوں کہ میرا یہ شوق پورا کیا جائے۔

جیسے آپ کا حکم مردے نے کہا اور پھر ایک جھٹکا اس کو لگا اسے اپنے پاؤں زمین سے اٹھتے ہوئے محسوس ہوئے پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ ہواؤں میں اڑنے لگی اور لمحوں میں وہ اس جگہ جا پہنچی جہاں راج اور آمنہ موجود تھے۔ مردے نے اس کو وہاں جا اتارا۔ ساحل کو ہوا میں اڑتا ہوا دیکھ کر راج اور آمنہ دھنگ سے رہ گئے۔ کیونکہ اس کے ساتھ کوئی بھی نہ تھا وہ اکیلی تھی۔ لیکن یہ ساحل جانتی تھی کہ وہ اکیلی نہیں ہے بلکہ وہ سفید پوش کفن والا اس کو اٹھائے ہوئے اڑاتا لایا ہے۔ ساحل ان کو دیکھ کر مسکرادی اور بولی۔

آمنہ۔ اور راج بھائی دیکھو میں نے اپنی منزل پالی ہے۔ میں نے جو چاہا حاصل کرلیا ہے۔ میں بھی آپ لوگوں کی طرح ہوگئی ہوں۔ وہ فخر سے بتائی جارہی تھی لیکن ان کے چہرے مرجھائے ہوئے تھے ان کی آنکھیں خوف سے پھیلی ہوئی تھیں وہ ان کی یہ حالت دیکھ کر ان کے پاس ہی بیٹھ گئی اور مردے سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ آپ جاؤ میں جب بلاؤں گی آجانا۔ مردہ اس کی بات سن کر غائب ہوگیا تب وہ ان سے بولی۔ کیوں خیریت تو ہے آپ کو میری کامیابی پر خوشی نہیں ہوئی ہے۔ اس کی بات سن کر راج اور آمنہ نے اس کی طرف دیکھا اور کہا۔

خوشی۔۔ ہاں بہت خوشی ہوئی ہے۔ لیکن شاید آپ کو یہ منزل اور ہمیں یہ خوشی زیادہ دن راس نہ آئے۔ اور جلد ہی وہ کچھ ہوجائے جو ہم نے کبھی سوچا بھی نہ ہو۔

کیا مطلب ہے آپ کا۔ ساحل نے دعا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

مطلب یہ ہے کہ سحر کا قتل ہوگیا ہے اور اس سائے نے اس کو مارا ہے جو ہم سب کا دشمن ہے اس

نے اس کا خون چوس لیا ہے اور اس کی لاش کا گوشت کھانا چاہتا ہے شاید کھا چکا ہوگا۔ اس نے بہت بڑی طاقت اپنائی ہے۔ میں نے اپنے حساب میں اس کی طاقتوں کو جاننے کی کوشش کی ہے بہت بڑی طاقت اس کے پاس موجود ہے اس کے سامنے ہم کچھ بھی نہیں ہیں۔

ساحل ان کی باتیں سن کر رو دی تھی سحر اس کی نظروں سامنے آ گئی تھی اس کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کی دوست اس کی سہیلی اس دنیا کو چھوڑ چکی ہے اتنی جلدی یہ سب ہو گیا۔ اور اس کو پتہ بھی نہ چلا۔ کافی دیر تک وہ روتی رہی۔ پھر بولی۔

کیا واقعی سحر مر گئی ہے مجھے یقین نہیں آ رہا ہے۔

ہاں وہ مر گئی ہے ہم میں نہیں رہی ہے۔ وہ پھر رو دی۔

وہ تو مر گئی اس ظالم نے اس کو مار ہی دیا اب ہمیں اپنی فکر کرنا چاہیے۔ اس نے صاف کہہ دیا ہے کہ اب ہماری باری ہے مجھے موت سے ڈر نہیں لگ رہا ہے بلکہ اس بات سے ڈر لگ رہا ہے کہ ہمارے بعد جانے وہ کتنے انسانوں کا خون کرے گا کس کس کے خواب میں آ کر اس کی زندگی کو نگل لے گا۔ وہ خونی ہے انسانی خون کا پیاسا ہے۔

آمنہ کی بات سن کر راج نے ایک گہری سانس لی اور بولا۔ غلطی ہماری ہے ہم نے اپنی طاقتوں پر ذرا بھی دھیان نہیں دیا تھا ہم سمجھ رہے تھے کہ ہمارے پاس بہت بڑی طاقتیں ہیں کوئی ہمیں مار نہیں سکتا ہے لیکن اس نے چپکے سے وہ کچھ حاصل کر لیا جو شاید ہم نے سوچا بھی نہیں تھا۔

راج۔ آمنہ راج کی بات سننے کے بعد بولی ہمیں بابا جی کے پاس چلنا چاہیے ان کو تمام حقیقت بتانا چاہیے ہو سکتا ہے کہ وہ کچھ کر سکیں۔ میں نہیں چاہتی کہ ہمارے مرنے کے بعد وہ اور لڑکیوں کی زندگیوں سے کھیلے۔ ہمیں کچھ نہ کچھ کرنا ہوگا کوئی ایسا کام جس سے آنے والی نسلیں محفوظ رہ سکیں۔

آمنہ کی بات سن کر راج کے دل کو ایک جھٹکا سا لگا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

ہاں آمنہ تم نے یہ بات ٹھیک کہی ہے ہمیں فوری طور پر کچھ کرنا چاہیے ورنہ وہ کچھ بھی کر سکتا ہے آؤ ابھی ان بزرگ کے پاس چلتے ہیں۔

ہاں آؤ۔ آمنہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔ اور ساتھ ہی ساحل بھی اٹھ گئی۔ اور پھر وہ تینوں ہی ہوا میں اڑنے لگے لمحوں میں وہ ایک ویرانے سے گنجان شہر میں آ گئے اور ان کا رخ بزرگ بابا کا ڈیرہ تھا۔ جہاں وہ جلد ہی جا پہنچے۔ بزرگ سوئے نہیں تھے وہ اپنی عبادت میں مگن تھے۔ وہ تینوں ہی ایک دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ جب تک وہ اپنی عبادات میں مگن رہے یہ خاموشی سے بیٹھے رہے وہ پوری تسلی کے ساتھ جب فارغ ہوئے تو ان کی نظر ان پر پڑی۔ ان کے افسردہ چہروں کو دیکھ کر وہ سب کچھ سمجھ گئے لیکن اس کے باوجود بھی انہوں نے پوچھ لیا۔

لگتا ہے کوئی بہت بڑی پریشانی ہے تم لوگوں کو۔

جی بابا جی بہت بڑی مشکل میں پڑے ہوئے ہیں اور پھر انہوں نے اپنی تمام کہانی ان کو سنا دی۔ اس میں سحر کی موت کا ذکر بھی کیا اور جو کچھ سائے نے انہیں کہا سب کچھ کہہ دیا۔ بابا جی نے غور سے

ان کی باتیں سنیں اور بولے۔

ہاں اس نے واقعی بہت بڑی طاقت اپنائی ہے لیکن اتنی بھی بڑی نہیں کہ وہ ہم پر اپنا وار چلا سکے تم لوگ بے فکر رہو میں جب تک زندہ ہوں وہ کچھ بھی نہیں کر سکے گا رہی بات سحر کی وہ اس تک کیسے پہنچا یہ میں نے دیکھا نہیں تھا کیونکہ سحر میرے پاس دوبارہ آئی نہ تھی اگر وہ آجاتی تو میں اس کا بھی کوئی حل نکال لیتا۔ بحرحال تم لوگ بے فکر رہو میں آج رات کو ایک رات کا چلہ کرتا ہوں اور پھر معلوم کرتا ہوں کہ اس کو کیسے قابو میں کیا جا سکتا ہے۔

ٹھیک ہے، بابا جی۔ راج نے سر جھکاتے ہوئے کہا۔ ہم کل پھر آپ کے پاس آئیں گے۔

ہاں جاؤ۔ اب رات کافی ہو رہی ہے مجھے ابھی سے چلہ شروع کرنا ہے۔ اتنا کہہ کر بابا جی نے ان تینوں کو الوداع کیا اور خود جائے نماز پر کھڑے ہو گئے۔ وہ تینوں گھر سے باہر نکل آئے ایک بار پھر وہ اڑنے لگے اب کی بار وہ اس جگہ پر نہ گئے تھے جہاں سے آئے تھے بلکہ شہر کے قریبی قبرستان میں چلے گئے جہاں ساحل نے چلہ کیا تھا۔ وہ اس قبرستان میں جا اترے اور ساحل ان کو اسی قبر پر لے گئی جہاں اس نے چلہ کر کے اس مردے کو اپنے قبضے میں کیا تھا۔ اس نے اس مردے سے متعلق بتایا کہ وہ نہ تو جوان ہے، اور نہ ہی بوڑھا ہے بلکہ ادھیڑ عمر کا ہے۔ سر کے آدھے بال کانوں پر سفید ہیں اور باقی سب کالے ہیں۔ چہرے پر ہلکی داڑھی ہے۔ دیکھنے میں کسی اچھے خاندان کا ہے۔ کیونکہ اس کی رنگت سفید ہے۔ وہ دونوں اس کی باتیں سنتے رہے۔ لیکن ان کا دھیان اس کی باتوں کی طرف نہ تھا بلکہ بزرگ کے بارے میں تھا کہ جانے وہ بزرگ کل کو کیا جواب دیتے ہیں لیکن انہوں نے تسلی تو بہت دی ہے کہ وہ اس کا مقابلہ کر سکتے ہیں اس کے پاس جتنی مرضی طاقت ہو ان سے بڑی نہیں ہے۔ اس کے پاس شیطانی طاقت ہو گی جبکہ بزرگ کے پاس نورانی طاقت ہے۔ اور ہمیشہ نورانی طاقتوں کا شیطانی طاقتوں پر غلبہ ہوتا ہے۔ اور انشاءاللہ بابا جی کامیاب ہوں گے۔

کیا سوچ رہے ہو راج۔ آمنہ نے راج کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

کچھ نہیں بس بابا جی کی باتوں کا سوچ رہا تھا۔

جو بھی ہو گا اچھا ہو گا زیادہ نہ سوچو۔ ہمیں بھی اب کوئی نہ کوئی حل کرنا چاہیے۔ ہم تو جہاں تھے وہاں ہی رکے ہوئے ہیں۔

ہاں آمنہ تم ٹھیک کہتی ہو۔ ہم نے کبھی بھی آگے بڑھنے کا سوچا تک نہیں ہے لیکن ہاں میں بھی آج سے چلہ شروع کر دوں۔

ہاں ہاں یہ بات ٹھیک کہی آپ نے آپ کو ایسا ہی کرنا چاہیے آپ کے پاس کافی ورد ہیں جو آپ نے ابھی تک نہیں کیے ہیں۔ آپ کریں میں اس کام میں آپ کا ساتھ دیتی ہوں آپ کی حفاظت کروں گی رات بھر آپ کے لیے پہرہ دوں گی۔ آمنہ نے راج کی طرف گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ تو راج مسکرا دیا اور بولا۔

ٹھیک ہے میں ابھی سے شروع کر دیتا ہوں۔ تم دونوں گپ شپ لگاؤ۔ اتنا کہہ کر وہ قبرستان میں

لگے ہوئے ایک نلکے سے وضو کرنے چلا گیا اور یہ دونوں آپس میں باتیں کرنے لگیں۔

آمنہ ایک بات پوچھوں مائنڈ تو نہیں کرو گی۔

نہیں نہیں کرو بات جو بھی کرنا چاہتی ہوں۔ آمنہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

میں نے آج تمہاری آنکھوں میں راج کے لیے بہت کچھ دیکھا ہے۔

کیا۔ کیا مطلب ہے آپ کا۔ آمنہ چونکتے ہوئے بولی۔

ساحل مسکرا دی اور بولی۔ مطلب تم سمجھ گئی ہو گی۔

کھل کر بات کرو یار آمنہ نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

آمنہ میں نے محسوس کیا ہے جیسے تم راج کو چاہتی ہو۔

آمنہ نے ایک گہری سانس لی اور بولی۔ ہاں ساحل چاہتی ہوں بہت زیادہ چاہتی ہوں میں ان کی عاشق ہوں۔ میں جانتی ہوں کہ یہ میرے لیے کیا چیز ہیں۔ چند سال پہلے کی بات ہے کہ مجھے ان کے بارے میں علم ہوا تھا مجھے پتہ چلا تھا کہ ایک حسین نوجوان ہمارے گاؤں میں آیا ہوا ہے اس کے پاس بہت طاقتیں ہیں وہ ہواؤں میں اڑنے کا فن جانتا ہے۔ اور ان کے پاس جن بھوت بھی ہیں مجھے شروع سے ہی ایسی باتیں اچھی لگتی تھیں میں کہانیاں پڑھ پڑھ کر خود بھی جنونی ہو گئی تھی کہ میں بھی ایک بہت بڑی عامل بن جاؤں میرے پاس بھی طاقتیں ہوں میرے پاس بھی جن ہوں میرے پاس بھی دلوں کا حال جاننے کے لیے علم ہو۔ بس میں رات کے اندھیرے میں کسی کو بتائے بغیر ان کو ملنے کے لیے چل دی لیکن کئی جگہوں پر ان کو تلاش کیا پر مجھے کہیں نہ ملے۔ پھر دوسرے دن بھی میں ان کی تلاش میں نکل پڑی لیکن یہ پھر مجھے نہ ملے۔ میرے دل میں ان کو دیکھنے کی چاہ بڑھتی چلی گئی اور میری حالت ایسی ہو گئی کہ میں ان کو دیکھنے کے لیے پاگل سی ہو گئی۔ اور پھر ایک دن رات کو یہ مجھے دکھائی دیئے میں ان کو دیکھ کر حیران سی رہ گئی یہ چلے میں مصروف تھے۔ یہ اپنا چلہ کرتے رہے اور میں ان کو تکتی رہی نجانے ان میں ایسی کیا بات تھی کہ میں بس ان کی ہو کر رہ گئی۔ ان کو ذرا بھی معلوم نہ تھا کہ کوئی ان کو دیکھ رہا ہے وہ اپنے چلے میں مست تھے اور میں ان کو دیکھنے میں مست تھی بس اس کے بعد میں ہر روز ان کو دیکھنے کے لیے ان کے پاس پہنچ جاتی ان کے قریب نہ جاتی تھی نجانے کیوں مجھ میں ہمت نہ ہوتی تھی ان کے پاس جانے کی۔ میں سمجھ رہی تھی کہ ان کو پتہ نہیں ہے کہ کوئی ان کو دیکھ رہا ہے یہ میرا گمان غلط ثابت ہوا یہ ہر روز مجھے دیکھتے تھے ایک شام میں وقت سے پہلے پہنچ گئی تھی یا پھر یہ دیر سے چلہ شروع کرنے والے تھے یہ اپنی جگہ پر بیٹھے ہوئے تھے جبکہ میں اپنی مخصوص جگہ پر جا کر کھڑی ہوئی تب یہ یکدم اپنی جگہ سے اٹھ کر میری طرف چلنے لگے ان کو اپنی طرف آتا ہوا دیکھ کر میں سر سے پاؤں تک کانپ کر رہ گئی۔ جی چاہا کہ بھاگ جاؤں لیکن انہوں نے مجھے بھاگنے کا کوئی بھی موقع نہ دیا مجھے میرے نام سے انہوں نے پکارا میں ان کی زبانی اپنا نام سن کر چونک کر رہ گئی اور ان کو گہری نظروں سے دیکھنے لگی اور سوچنے لگی کہ ان کو میں نے تو اپنا نام آج تک نہیں بتایا پھر ان کو کیسے پتہ چلا میرا نام انہوں نے میری سوچ کو بھی پڑھ لیا اور بولے۔

آمنہ میں کئی دنوں سے تم کو یہاں کھڑے دیکھ رہا ہوں۔ تمہارے یہاں آنے کا مقصد کیا ہے۔

ان کی بات نے مجھے لاجواب کر دیا تھا میرے پاس ان کی اس بات کو کوئی بھی جواب نہ تھا میں خاموش کھڑی رہی تب یہ خود ہی بولے۔ دیکھو آمنہ میں تیرے دل کو سمجھتا ہوں لیکن یہ جان لو کہ میں ایک مسافر ہوں میں یہاں کسی کے کہنے پر آیا ہوں یہاں کوئی جھوت کسی لڑکی کو تنگ کر رہا تھا میں اس کو اس جھوت سے چھٹکارا دلانے آیا ہوں جب میرا کام ختم ہو جائے گا میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔ ان کی بات سن کر میں بجھ سی گئی اور پھر اپنے اندر ہمت پیدا کی۔ اور کہا۔

ہاں میں جانتی ہوں کہ آپ اجنبی ہیں کیونکہ آج سے قبل میں نے آپ کو یہاں کبھی نہیں دیکھا ہے۔ اور میں یہاں کیوں کھڑی ہوتی ہوں یہ میں خود بھی نہیں جانتی ہوں بس اتنا جانتی ہوں کہ جب اندھیرا چھانے لگتا تو میرے دل میں ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے گھر میں گھٹن ہونے لگتی ہے اور آپ کا چہرہ میری نظروں کے سامنے گھومنے لگ جاتا ہے پھر میں اپنا کنٹرول کھو جاتی ہوں اور سب سے نظریں بچا کر یہاں آ جاتی ہوں میری بات سن کر انہوں نے گہری سانس لی اور بولے۔

ہاں میں جانتا ہوں سب کچھ جانتا ہوں۔ اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ بھی تم جان لو کہ میں ایک مسافر ہوں اور مسافروں کا کوئی بھی ٹھکانہ نہیں ہوتا ہے یہ آج یہاں کل کہیں اور ہوتے ہیں بہتر ہے کہ تم اپنے اوپر قابو رکھو۔

بہت روکتی ہوں دن تو کسی طرح بیت جاتا ہے لیکن شام ہوتے ہی۔ مجھے نہیں پتہ مجھے کیا ہو جاتا ہے۔ میں نے دل کی بات بتا دی اور اگر نہ بھی کہتی تو یہ سمجھ چکے تھے انہوں نے ایک گہری نظر مجھ پر ڈالی اور بولے۔ لگتا ہے کہ تم کو عشق ہو گیا ہے۔ ان کی بات سن کر میں چونک سی گئی میں نے یہ تو سوچا بھی نہیں تھا کہ مجھے عشق ہو گیا ہے میں تو بس ایسے ہی کھنچی چلی آتی تھی لیکن انہوں نے کچھ بھی غلط نہیں کہا تھا مجھے واقعی ان سے عشق ہو گیا تھا۔ اور یہ عشق مجھے بہت مہنگا پڑا تھا ایک رات یہ چپکے سے چلے گئے اور میں ان کی راہیں دیکھتی رہ گئی۔ لیکن کہتے ہیں کہ عشق سب کچھ کروا دیتا ہے ان تک پہنچنے کے لیے مجھے بھی ان جیسا بننا تھا اور میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں وہ علم حاصل کروں گی جو مجھے ان تک پہنچا دے میرا اور کوئی بھی مقصد نہ تھا۔ صرف ان کو پانا تھا۔ میں نے گاؤں کی مسجد کے امام سے رابطہ کیا اور ان سے جھوٹ بولا کہ ایک چڑیل مجھے راتوں کو تنگ کرتی ہے وہ مجھ سے کوئی چلہ کروانا چاہتی ہے۔ یہ بات میں نے جان بوجھ کر کہی تھی امام صاحب میرے اس جھوٹ کو سچ سمجھ بیٹھے اور انہوں نے مجھے ایک چلہ کرنے کے لیے ورد دے دیا جو کہ مجھے کرنا تھا اور یہ ورد قبرستان میں کرنا تھا سو میں نے وہی جگہ منتخب کی جو انہوں نے اپنے چلے کے لیے کی ہوئی تھی میں بھی راتوں کو اس جگہ پر جا کر کھڑی ہو جاتی۔ مجھے کیا پتہ تھا کہ چلہ میں چڑیلیں اور جھوت مجھے دکھائی دیں گے جب میں نے چڑیلوں اور جھوتوں کو دیکھا تو کانپ کر رہ گئی۔ میرا پورا جسم پسینہ میں بھیگ گیا میں چلہ چھوڑ کر بھاگنا چاہتی تھی لیکن ہمت نہ ہو رہی تھی کہ بھاگ سکوں سو میں اپنے حصار میں ہی قید ہو کر رہ گئی جب چڑیلیں اپنا آپ دکھا کر غائب ہو گئی تب میں نے ہمت کر کے چلہ شروع کر دیا۔ اور یوں میرا دل

دن بدن مضبوط ہوتا چلا گیا مجھے ایسے لگنے لگا کہ میں بہت جلد کامیاب ہو جاؤں گی۔ اور ایسا ہی ہوا کہ ایک چلے نے ہی میری مشکل حل کردی۔ جب میرا چلہ پورا ہوا تو مجھے نہ تو کوئی چڑیل قبضے میں آئی نہ ہی کوئی جن لیکن ایک ایسا علم میرے ہاتھ لگ گیا کہ جس نے مجھے حیران کردیا کہ میں ایک روز بالٹی میں پانی بھر رہی تھی۔ کہ یکدم مجھے اس میں ان کا عکس دکھائی دیا میں عکس کو دیکھ کر نہ صرف خوش ہوئی بلکہ حیران بھی ہوگئی یہ عکس پانی پر تیر رہا تھا یہ ہوا میں اڑ رہے تھے۔ ان کے چہرے پر مسکراہٹ تھی یوں لگتا تھا جیسے انہوں نے کوئی بہت بڑا معرکہ سر کرلیا ہے۔ میں ان کے عکس میں ڈوب سی گئی۔ یہ میرے لیے کامیابی تھی بہت بڑی کامیابی۔ عکس کافی دیر تک میرے سامنے رہا اور پھر پانی کی لہروں میں ہی کہیں غائب ہوگیا بس کیا تھا میں ہر وقت ان کا عکس پانی میں دیکھنے لگی اور مجھے پتہ چل جاتا کہ یہ کہاں ہیں اور کیا کررہے ہیں میں انکو آواز بھی دیتی لیکن میری آواز ان تک پہنچ نہ پاتی۔ میں نے ان کو حاصل تو کرلیا تھا کہ ایک طور پر ان کو خبر نہ تھی کہ میں ان کو ہر پل دیکھتی رہتی ہوں یہ اپنے کام میں مگن رہتے تھے اور میں ان کو دیکھنے میں مگن رہتی یہ میرا جنون تھا یا میرا عشق کہ میں ان کی دیوانی ہوتی چلی گئی۔ میں نے دنیا کو بھلانا شروع کردیا اور ہر وقت یہ سوچ رکھنے لگی کہ میں بھی اب ان جیسی ہوں گی اور وہ کچھ کروں گی جو یہ کرتے ہیں سو میں نے ایک بار پھر امام مسجد سے رابطہ کیا اور کہا کہ چلیں اب کچھ کم ہوگئی ہیں لیکن اب ایک میرا اچھا نہیں چھوڑتی ہے میں ان کے ساتھ مقابلہ کرنا چاہتی ہوں مجھے کوئی ایسا ورد بتا ئیں کہ میں نہ صرف ان چڑیل پر قبضہ کرسکوں بلکہ اس کو مار بھی سکوں میری بات سن کر وہ مسکرا دیئے شاید ان کو پتہ چل گیا تھا کہ میں جھوٹ بول رہی ہیں لیکن انہوں نے مجھ پر یہ بات ظاہر نہ کی اور کہا یہ مشکل کام ہے۔ لیکن مجھے پتہ ہے کہ تم یہ کام کرسکو گی کیونکہ تم نے جو گیارہ دن کا چلہ کیا ہے اس میں تم نے بہت کچھ حاصل کرلیا ہے تم کو پتہ چل گیا ہے کہ چلے کے دوران کیا کچھ ہوتا ہے اور تم مقابلہ کرسکتی ہو میں تم کو ایسا ورد بتا رہا ہوں کہ لوگوں کے نظروں سے اوجھل بھی ہوسکوگی اور ہوا میں بھی اڑ سکو گی۔ ان کے یہ الفاظ میرے لیے خوشی بن گئے کیونکہ جو میں نے چاہا وہ انہوں نے مجھے بتادیا۔ آج میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی تھی کہ میرے پاس ایسا ورد آگیا تھا جو ان کے پاس تھا جو جو یہ کرتے تھے میں بھی ایسا کرسکتی تھی بس مجھے اکیس دن تک یہ چلہ کرنا تھا میں نے ان والی کا انتخاب پھر سے کیا کیونکہ یہ جگہ میرے گھر سے زیادہ دور نہ تھی اور پھر میں نے اپنے چلے کا آغاز کردیا۔ اور روز بروز کامیابی حاصل کرتی رہی مجھے ہر طرح سے ڈرایا گیا ہر روز مجھے جان سے مارنے کی دھمکیاں دی جاتی رہیں لیکن میں نے ہمت نہ ہاری۔ ہاں ہمت اس وقت ہاری جب چلہ کے دوران یہ اڑتے ہوئے میرے سامنے آگئے ان کے لبوں پر وہی مسکراہٹ تھی چہرے پر ویسی ہی چمک تھی یہ میرے بالکل سامنے آگئے میں ان کو دیکھ کر اپنا چلہ کرنا بھول ہی گئی اور ان کو دیکھنے لگی ان کے لبوں پر مسکراہٹ ابھی تک موجود تھی اور مجھے ایسے دیکھ رہے تھے کہ جیسے ان کو میری ہی تلاش ہو جیسے یہ میرے لیے ہی بنے ہوں۔

آمنہ۔ ان کے منہ سے آواز گونجی۔ مان گیا ہوں تم کو تم نے مجھے حاصل کرنے کے لیے بہت

محنت کی ہے نہ تم نے دن دیکھا اور نہ رات بس مجھے حاصل کرنے کے لیے اپنے کام پر لگی رہی ہو اور دیکھو میں آ گیا ہوں۔ تم نے جو چاہا ویسا ہی ہوا تم یہ چاہتی تھی کہ میں خود تیرے پاس آؤں سو آ گیا آؤ چلیں کسی ایسی جگہ جہاں تیرے اور میرے علاوہ کوئی بھی نہ ہو۔ اتنا کہہ کر انہوں نے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھایا لیکن جونہی ان کا ہاتھ میرے بنائے ہوئے حصار سے ٹکرایا تو ان کے ہاتھ کو آگ لگ گئی ان کو ایک جھٹکا سا لگا یہ بری طرح کانپے اور ساتھ ہی ان کا چہرہ بدلنے لگا یہ خوبصورت انسان سے ایک خوفناک بھوت بن گئے میں ان کی یہ حالت دیکھ کر کانپ کر رہ گئی یہ تو شکر تھا کہ میں حصار سے خود نکلی نہیں ورنہ ان کی شکل میں آنے والا بھوت میری جان لے لیتا۔ میری نظروں کے سامنے ہی ان کو ذرا دیر میں دھواں بننے لگا اور پھر وہ میری نظروں کے سامنے سے غائب ہو گیا۔ میں کئی لمحات تک ان کے بارے میں سوچتی رہی۔ خدا نے مجھے بہت بڑی مصیبت سے بچا لیا تھا شیطان کو جیسے پتہ چل گیا تھا کہ میں ان کو پسند کرتی ہوں جو کچھ کر رہی ہوں ان کے لیے کر رہی ہوں اسی وجہ سے وہ ان کی شکل کا روپ دھار کے میرے سامنے آ گیا تھا اور میں بھی ان کے ساتھ چلنے کو تیار ہو گئی تھی لیکن۔ جو ہوا وہ میرے لیے بہتر تھا باقی کے دن میں نے محتاط رہ کر چلہ کیا کیونکہ میں نہیں چاہتی تھی کہ میں پھر شیطان کی ایسی چال میں پھنس جاؤں جو بس میری نظروں کا دھوکہ ہو۔ آج میرا چلہ مکمل ہو گیا تھا اور میں نے کامیابی حاصل کر لی تھی میرے چلہ پورا ہوتے ہی ہوا سے کہا مجھے اوپر اٹھا لے ہوا نے ایسا ہی کیا میرے پاؤں زمین سے اٹھنے لگے میں ہوا میں سیر کرنے لگی یہ کامیابی میرے لیے خوشی کا باعث ثابت ہوئی لیکن شاید گھر والوں کے بدنامی کا باعث بن گئی تھی میں نے گھر والوں کو بدنام کر لیا لوگوں کو پتہ چل گیا تھا کہ میں کسی مرد سے عشق کرتی ہوں اور اس کے لیے ہر وہ کام کر سکتی ہوں جو وہ نہیں۔ گھر والوں نے مجھے روکنے کی کوشش کی لیکن میں کہاں رکنے والی تھی میری منزل تو بس یہ تھے اور اپنی منزل کو پا لینے کے لیے بعد بھلا میں پیچھے کیسے ہٹتی۔ بس پھر ایک دن سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر میں ان کو تلاش کرتے ہوئے ان تک پہنچ گئی۔ ان کو تلاش کرنا میرے لیے کوئی بھی مشکل کام نہ تھا میں پانی میں ان کا عکس دیکھ لیتی تھی کہ یہ کہاں ہیں کس جگہ پر ہیں اور جہاں یہ مجھے دکھائی دیتے میں اسی طرف اڑنا شروع کر دیتی۔ اور آج میں ان کے پاس ہوں لیکن ان کو میرے دل کا علم نہیں ہے۔ یہ میرے دل کو اچھی طرح جان نہیں پائے ہیں اور نہ ہی مجھ میں اتنی ہمت ہے کہ میں ان کو دل کا حال بتا سکوں کیونکہ ان کی منزل مجھے حاصل کرنا نہیں ہے بلکہ وہ کچھ ہے جو دنیا کی بھلائی کے لیے ہو ان کو دیکھ کر میں بھی انسانوں کی بھلائی کا کام کرنے لگی اس بیوولے کے بارے میں پتہ چلا کہ یہ لڑکیوں کو خوابوں میں اپنا دیوانہ بنا کر ان کو اپنے ساتھ لے جاتا ہے اور ان کا خون پیتا ہے اور ان کے جسموں کا گوشت کھاتا ہے ایک روز ہم ان سایے تک پہنچ گئے یہ اسی جنگل میں ہمیں ملا جہاں تم لوگ موجود تھے اور تم میں ایک لڑکی انیلا اس کے عشق میں گرفتار ہو گئی تھی۔

آمنہ کہانی سنائے جا رہی تھی اور ساحل پوری لگن سے اس کی کہانی سن رہی تھی اس کو اب معلوم ہوا کہ تلاش عشق کیا چیز ہے ایک لڑکی ہو کر اس نے اپنے محبوب کے لیے کیا کچھ کیا گھر بار سب کچھ

چھوڑ دیا۔ اور ان کو حاصل کرنے کے لیے دن رات ان کا پیچھا کرتی رہی۔

میں تمہارے دل کی بات، راج تک پہنچاتی ہوں جو بات تم کئی سالوں سے ان سے نہ کر پائی میں کر پائی ہوں۔ ساحل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

نہیں ساحل نہیں اب ایسا کرنے کا کوئی بھی فائدہ نہیں ہے کیونکہ اب میں دیکھ رہی ہوں کہ ہماری زندگی ختم ہونے والی ہے۔ ہم ایک چھوڑ کر ہزاروں چلے کرلیں لیکن ہم اب بچنے والے نہیں ہیں میں اس لیے نہیں کہہ رہی کہ اس سائے نے بہت بڑی طاقت اپنائی ہے بلکہ اس لیے کہہ رہی ہوں کہ میں نے اپنے علم سے معلوم کرلیا ہے کہ ہماری زندگی کسی بھی وقت ختم ہوسکتی ہے۔ اور شاید تم بھی اس سے بچ سکو۔

کیا؟ ساحل بری طرح چیخی۔

ہاں ساحل میں نے بہت کچھ دیکھ لیا ہے لیکن اس کے باوجود راج کا دل نہیں توڑنا چاہتی اس کے دل میں آس ہے کہ ہم اس ہیولے کو مار سکنے میں کامیاب ہوسکتے ہیں لیکن یہ میں جانتی ہوں کہ ایسا نہیں ہوسکتا لیکن بابا جی نے جو تسلی دی ہوئی ہے ہوسکتا ہے کہ کامیابی ہمارا مقدر بن جائے لیکن میرا علم جو کہتا ہے وہ یہی ہے کہ ہماری زندگی بہت کم ہے۔ ابھی آمنہ ایسی بات کررہی تھی کہ انکو قبرستان میں ایک بھیانک چیخ سنائی دی۔ یہ چیخ کسی اور کی نہ تھی بلکہ راج کی تھی۔ ہاں راج کی جو وضو کرنے کے لیے پانی کی تلاش میں قبرستان کی ایک طرف نل کے پاس گیا تھا۔ اس کی چیخ کی آواز سن کر یہ دونوں پاگلوں کی طرح اس طرف بھاگیں۔ اور پھر سامنے کا منظر دیکھ کر دونوں پر جیسے سکتہ طاری ہوگیا۔ سامنے وہی ہیولہ کھڑا تھا اس کے ہاتھ میں راج کا کٹا ہوا سر تھا اور اس کا وجود نیچے زمین پر پڑا تڑپ رہا تھا۔ اس ظالم نے راج کی گردن کاٹ دی تھی۔ آمنہ پر بے ہوشی طاری ہوگئی اور ساحل کی جیسے سانس رک گئی ہو۔

ہاہاہا۔ ہاہاہا۔ میں ایک ایک کرکے تم سب کو ختم کردوں گا تم لوگوں کی وجہ سے مجھے بہت نقصان پہنچا ہے۔ اب میں مزید برداشت نہیں کرسکتا ہوں۔ اس انسان نے مجھے بہت دکھ دیے ہیں یہ میرے راستے کی دیوار بنا رہا تھا لیکن آج میں نے اس کا خاتمہ کردیا ہے اب میں پرسکون ہوں۔ کل میں پھر آؤں گا اور تم دونوں میں سے ایک کو اٹھا کر لے جاؤں گا اور اس کا بھی وہی حال کروں گا جو میں نے اس کا کیا ہے۔ اتنا کہہ کر اس نے زمین پر پڑے ہوئے راج کا جسم اٹھایا اور دوڑ نکل گیا اور چلتے چلتے ہی وہ اندھیرے میں کہیں غائب ہوگیا۔ ساحل نے ہمت کرکے آمنہ کو ہوش دلایا۔

کہاں گئے وہ۔ آمنہ نے پاگلوں کی طرح ساحل کو جھنجھوڑ ہی دیا۔

وہ۔ وہ۔ اسے اٹھا کر لے گیا ہے۔ ساحل نے کانپتی ہوئی زبان سے کہا پھر کیا تھا کہ آمنہ پاگلوں کی طرح اس طرف بھاگی جہاں وہ اس کو لے کر گیا تھا اور اس کی طرح ہی وہ بھی اندھیرے میں کہیں غائب ہوگئی۔ ساحل پسینے میں شرابور بھاگتی ہوئی گھر آگئی۔ لیکن اس کو معلوم ہوگیا تھا کہ اس کی زندگی کے دن بہت ہی کم ہیں زیادہ سے زیادہ دو دن۔ اس کی سوچ بہت ٹھیک نکلی تھی دوسرے دن

اس نے دیکھ لیا تھا کہ وہی ہیولہ آمنہ کی گردن کو کاٹے اس کا خون پی رہا تھا اور آمنہ کا جسم بالکل ٹھنڈا زمین پر پڑا ہوا تھا۔ یہ منظر دیکھ کر وہ کانپ کر رہ گئی اب اس کو یقین ہو گیا تھا کہ اب اس کی باری ہے کیونکہ اس کے گروپ سے صرف دو انسان باقی بچے ہیں ایک وہ تھی اور دوسرا علی تھا جو سحر کا عاشق تھا۔ بس اس کے علاوہ وہ سب کو مار چکا تھا۔ اس نے اس گروپ کو مارنا تھا کیونکہ اس گروپ کی وجہ سے ہی اس کو کافی نقصان ہوا تھا۔ ساحل اپنی زندگی کے بچاؤ کے لیے پلان تیار کرنے لگی۔ لیکن اس کا کوئی بھی پلان کامیاب نہ ہوا تھا رات ہو گئی تھی اور اس کا دل کانپ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں اس ہیولہ کو تلاش کر رہی تھی جو اس کی موت بنے اس تک کسی بھی وقت پہنچ سکتا تھا۔ پوری رات بیت گئی اس کو ڈرتے ہوئے لیکن وہ نہ آیا دوسرے دن بھی وہ نہ آیا لیکن تیسرے دن وہ اس کے سامنے تھا۔ اس کے ہونٹ خون سے سرخ ہو رہے تھے آنکھوں میں وحشت تھی وہ کس کا خون کر کے آیا تھا کس کا اس نے خون کیا تھا یہ ساحل نہیں جانتی تھی۔

بس میرے پیچھے پیچھے چلتی آؤ۔ اس ہیولے نے کہا تو ساحل پر یکدم مدہوشی چھانے لگی یہ دنیا کو بھول کر اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔ رات کے اندھیرے میں کئی ویرانوں سے وہ گزرتی چلی گئی اسے خود خبر نہ تھی کہ وہ ایسا کیوں کر رہی ہے کیونکہ اس کے پیچھے چل رہی ہے وہ کچھ بھی نہیں جانتی تھی بس مدہوش ہوئے اس کے ساتھ چلتی جا رہی تھی۔ ایک جگہ پر جا کر وہ سایہ رک گیا یہ کوئی کھنڈر تھا۔ ساحل نے یہ کھنڈر پہلی بار دیکھا تھا۔ جو نجانے کس کونے میں بنایا گیا تھا۔ وہاں ان دونوں کے علاوہ کوئی بھی نہ تھا۔ ہاں اگر کوئی چیز تھی وہ انسانی ہڈیاں تھیں جن کا ایک ڈھیر لگا ہوا تھا۔ اف ساحل ان ہڈیوں کو دیکھ کر کانپ کر رہ گئی۔ لیکن وہ کچھ بھی نہ بول سکتی تھی اس کو پورا یقین ہو گیا تھا کہ اب اس کی زندگی کا آخری دن آ گیا ہے وہ دن جس کے بارے میں اس نے کہا تھا کہ وہ ہم میں سے کسی کو بھی زندہ نہیں چھوڑے گا ایک ایک کو ختم کر دے گا۔ یہ سب باتیں اس کا دماغ سوچ رہا تھا جو دھیرے دھیرے ہوش میں آتی جا رہی تھی۔ اور یہ سب منظر دیکھ کر وہ کانپ رہی تھی وہ سایہ دھیرے دھیرے اس کی طرف بڑھنے لگا اور پھر اس کی گردن پر ہاتھوں کا بوجھ محسوس ہوا اور وہ مدہوشی کی کیفیت میں موت کی طرف بڑھنے لگی۔ اس کے بعد کیا ہوا یہ سب جاننے کے لیے تلاش عشق کی آخری قسط پڑھنا مت بھولیے گا۔

غزل

میری زندگی کو ایک نئی زندگی دی آپ نے
مجھے ہر پل خوشی دی آپ نے
میری سوچوں میں تھے بہت سارے چہرے
میری سوچوں کو ختم کر کے ایک بندگی دی آپ نے
برستی رہے سدا پیار کی یہ رم جھم
چھیڑی ہے جو محبت کی جھڑی آپ نے
جو کرنے نہ تھے زندگی میں
وہ کرائے کام سبھی آپ نے
خدا کرے تیری سبھی چاہتیں ہوں پوری
پوری ہو ہر دعا جو کی آپ نے
جیسے میں دیکھوں کسی اور کو راشد
مجھ پر ایسی نظریں لگا رکھی آپ نے

(راشد لطیف صبرے والا ملتان)

ابھرتے ہوئے شاعر

ہر دلعزیز شاعرہ کشور کرن کی شاعری

غزل

آکر میرے شہر میں وہ قیام کر گیا
میری چاہتیں سرِعام کر گیا
پل بھر کے لیے ٹھہرا تو موسم بدل گیا
لیکن بلاوا کی مجھے بدنام کر گیا
وہ دی سزا جو اس کی میں قل دار تھی
جاتے جاتے میری زندگی کی شام کر گیا
دھڑکن کی تال پر تھے ارمان جاگے سے
میری سسکیوں کو بھی وہ اور کر گیا
چاہت کے سوداگر تھے یوں کیا سودا
اصول جو وفا تھی وہ نیلام کر گیا
اتنا تو کیوں کی کہ وہ آیا تھا میرے شہر
کرن چلو پھر تو کیا شہر کو سلام کر گیا

غزل

وہ میرے درد کو میرے اشک اشک میں بسانے آیا
وہ میرا افسانہ غم مجھ کو سنانے آیا
میرے ارمانوں کے دربار پہ جلتی تھی شمع
وہ میرے ارمان سے بھی دیپ بجھانے آیا
کبھی نہ دیکھی اس نے آکر میری پلکوں کی نمی
نمک زخموں پہ لگا کر وہ رلانے آیا
پھر اس نے مجھے پیار سے جس آرزو سے کل
وہ میرے بستر پہ کانٹوں کو بچھانے آیا
ہم نے پیالوں میں بھی اپنوں کو ڈھونڈا اکثر
کب وہ ظالم تھا کہ ہر رشتہ مٹانے آیا
روشنی دیکھ میرے آنگن میں ان کے طوفان
میرے منڈیر کے چراغوں کو بجھانے آیا

غزل

مجھ سے رہائی پاکر میری زنجیریں ڈھونڈتا ہے کیوں
وہ اکثر مجھ سے ملنے کی دلیلیں ڈھونڈتا ہے کیوں
چلو اب خوش تو رہتا ہے سانسے کو جدا کر کے
مگر اب وہ کاغذوں میں تصویریں ڈھونڈتا ہے کیوں
پلٹ کر دیکھنا تو اب میری فطرت نہیں رہی
مجھے واپس بلانے کی تدبیریں ڈھونڈتا ہے کیوں
کبھی وہ غصہ میں آکر قلم میرا توڑ دیتا تھا
حیران ہوں کہ اب وہ میری تحریریں ڈھونڈتا ہے کیوں
چاہت سے بھر کر دولت کی ہوس رکھتی تھی اس کو
میرے گھر میں حویلی میں تعمیریں ڈھونڈتا ہے کیوں

غزل

لے کے جا میرے پروس میری بیٹی پیار کا سلام لیتا جا
میرے شہر سے جا رہے تو کوئی پیغام لیتا جا
روتی ہوئی آنکھوں میں ایک امید ہے باقی
آنکھوں کے اس میخانے سے تھوڑا سا جام لیتا جا
کہ بل جو تو آکر ٹھہرا ہے میرے شہر میں
اس خوشگوار موسم کی ایک شام لیتا جا
میں کیسے رہ پاؤں گی تجھ سے بچھڑنے کے بعد
جاتے جاتے اس دل کا پیام لیتا جا
کیا خبر کہ میری سانس ٹوٹ جائے تیرے آنے سے
ان آنسوؤں بھرے دل سے کرن سارے انعام لیتا جا

غزل

کیوں تیری آنکھوں میں اب بھی آنسو دیکھوں
جو مجھے مجھ سے چرالے وہ تجھ کو دیکھوں
آ میرے سامنے میں تیری بلائیں لے لوں
اپنی چاہت کی کمی میں تجھ میں خوشبو دیکھوں
میں تجھے پالوں زمانے سے ٹکرا کے صنم
میں خود میں تیرے لیے اتنی آرزو دیکھوں
آنکھیں تو بھی زمانے کو چھوڑ کر ہمدم
میں اپنی محبت کو تجھ میں روبرو دیکھوں
نہ کبھی بور ہو اب میری کسی بات پر تم
میں تیرے لب پر کرن اپنی گفتگو دیکھوں

غزل

مجھے جس سے گفتگو میں پوچھتی ہوں وہ کون ہے
جس کی ہے تجھ کو آرزو میں پوچھتی ہوں وہ کون ہے
رنگ کے نکلے تھے میں نادان تھی تب پانی
جو تیری سانسوں میں ہے میں پوچھتی ہوں وہ کون ہے
تیری عقل پر پردہ میرے دعوؤں بھی قائم نہیں
ہر پل تجھے ہے جس کی جستجو میں پوچھتی ہوں وہ کون ہے
تو کتنے چہروں پر سجا اپنی عزت کا ہے خیال
جس کے لیے رات بھر ہے جاگتا میں پوچھتی ہوں وہ کون ہے

کشور کرن

پرچھائی کا راز

تحریر: نعیم بخاری آکاش۔ اوکاڑہ

ظہیر میرا پیارا دوست تھا وہ اتنے سالوں تک پرچھائی بن کر میرے سر پر مسلط رہا وہ مجھے ہر رات ڈراتا رہا مگر اس نے کبھی مجھے مارنے کی کوشش نہیں کی حالانکہ اس پرچھائی کی وجہ سے میں پاگل ہونے کی انتہا کو پہنچ جاتا تبھی وہ پرچھائی چند دنوں کے لیے غائب ہو جاتی اس واقعے کے بعد مجھے کبھی چین میسر نہیں آیا ہر وقت ہر لمحہ جو جو ظلم میں نے ظہیر پر کیا تھا اس کا پچھتاوا کسی زہریلے سانپ کی طرح مجھے ڈستا رہا حالانکہ اگر ظہیر کی پرچھائی چاہتی تو مجھے مار سکتی تھی مگر اس نے ایسا نہیں کیا مجھے پتہ تھا کہ اس کی روح بھٹک رہی ہے وہ مجھے اپنی موجودگی کا احساس دلاتا رہا شاید ظہیر نے مجھے اس لیے نہیں مارا کیونکہ وہ چاہتا تھا کہ جو خون میرے ہاتھوں پر لگا ہے وہ میرے ہی اعتراف جرم سے دھلے اسی لیے اس نے اتنے سال انتظار کیا اور قدرت کو بھی میری روح ایسے قبض کرنا منظور نہیں تھا ورنہ میں اتنی لمبی زندگی کا حقدار نہیں تھا۔ ہاں یقیناً میں حقدار نہیں تھا اس زندگی کا انسپکٹر میں اپنے جرم کا اعتراف کرتا ہوں میں نے ہی ظہیر کا قتل کیا ہے۔ دولت نے میری آنکھیں چندھیا دی تھیں میری آنکھوں پر لالچ کی سیاہ پٹی بندھ گئی تھی چوری کرنے والی رات ہی جب ظہیر سو رہا تھا میں نے اس کے سر میں چھرا گھونپ دیا اس نے تڑپ تڑپ کر جان دے دی اس کی آنکھوں میں ایک ہی سوال تھا کیوں آخر کیوں میں نے دوستی جیسے لازوال رشتے کو دغا دے دیا انسپکٹر صاحب مجھے تختہ دار پر لٹکا دیں کیونکہ کم سزا کا مطلب ظہیر کے ساتھ ناانصافی ہوگا۔ لیکن ایک بات کی مجھے سمجھ نہیں آ رہی ہے کہ آپ لوگ مجھ تک پہنچے کیسے ہو یہ تو صدیوں پرانی بات ہے اور اس بات کا ثبوت کوئی نہیں ہے صرف ایک پرچھائی ہے۔ یہ جرم صرف میں ہی جانتا ہوں۔ منور اپنی بات مکمل کرنے کے بعد بلک بلک کر رونے لگا تھا جبکہ انسپکٹر نے ستائشی نظروں سے افسر علی کی طرف دیکھا وہ خوش تھا کہ افسر علی نے ایک مجرم کو پچیس سال بعد کیفر کردار تک پہنچایا۔ ایک سنسنی خیز اور دلچسپ اور ڈراؤنی کہانی جو آپ مدتوں یاد رکھیں گے۔

آمنہ نے دہکتے سورج کو دیکھنے کی کوشش کی مگر سورج کی حدت کی بدولت اس کی آنکھیں چندھیا گئیں اس نے فوراً اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ اور چہرہ جھکا لیا۔ چند ثانیے توقف کے بعد اس نے آنکھیں کھولیں وہ اپنے پیروں کو گھور رہی تھی مگر اس کی آنکھیں ابھی تک دیکھنے کے قابل نہ ہوئی تھیں اس کی آنکھوں میں ابھی تک سورج کا سرخ عکس بسا ہوا تھا۔ گرمی کی وجہ سے ایسے لگ رہا تھا جیسے کسی نے اس کے پیروں میں دہکتے کوئلے بھر دیے ہوں اس کی قمیض کمر تک پسینے سے شرابور ہو چکی تھی چند منٹ پہلے تک وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ کمرے میں سوئی ہوئی تھی مگر لائٹ چلے جانے کے بعد گرمی اور حبس کا احساس اتنا بڑھ گیا کہ وہ بے تاب ہو کر صحن میں آ گئی۔



اس امید کے ساتھ کہ ان کے گھر میں موجود واحد سایہ کا ذریعہ نیم کا درخت اسے کسی حد تک سکون مہیا کرے گا اور نیم کی ٹھنڈی چھاؤں سے لطف اندوز ہونے کی غرض سے وہ باہر آئی تھی مگر یہاں کا سماں تو مزید کوفت بھرا تھا باہر ہوا کا نام ونشان تک نہیں تھا اور سورج عین سر کے اوپر چمک رہا تھا جبکہ نیم کا درخت ساکت وجامد کھڑا آئینا کا منہ چڑھا رہا تھا آئینا نے کوفت بھری نظروں سے برآمدے میں لگے پنکھے کی طرف دیکھا مگر وہ نیوز بند تھا آئینا برآمدے سے نکل کر نیم کے درخت کی طرف بڑی چند قدموں کا فاصلہ اس کی نازک اور نرم وسفید جلد کو جھلسا گیا تھا نیم کی چھاؤں تلے کھڑے ہو کر اس نے اپنے سر پہ ہاتھ لگایا تو اس کا سر کسی توے کی طرح تپ رہا تھا اس نے ناگواری سے ٹھنڈا سانس لے کر آنکھیں بند کیں اور کھڑے کھڑے درخت کے مضبوط تنے سے ٹیک لگا لی۔ اچانک اسے احساس ہوا جیسے کوئی برآمدے سے نکل کر اس کی طرف بڑھا ہوا ہے پیروں کی واضح آواز سنائی دے رہی تھی اس کے من میں خیال ابھرا کہ یقیناً امی یا ابو باہر آئے ہوں گے اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا مگر وہ دنگ رہ گئی صحن میں کوئی بھی نہیں تھا اس نے حیرت سے چاروں اطراف نظر دوڑائی مگر صحن خالی تھا وہ حیرانگی سے برآمدے کی طرف دیکھنے لگی یک لخت آئینا کو اپنی پشت کی جانب کسی کی موجودگی کا احساس ہوا اس نے تیزی سے پلٹ کر دیکھا تو اس کے حلق سے دلخراش چیخ بلند ہوئی اس کے سامنے ایک سیاہ پرچھائی کھڑی ہوئی تھی اس کے چہرے کی چمڑی اُدھڑی ہوئی تھی اور باقی جسم ایسے تھا جیسے کسی انسان کا سایہ ہو اس پرچھائی کو دیکھ کر آئینا کے اوسان خطا ہو گئے اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑی۔

اس کی خوف سے بھری چیخ سن کر افسر علی اور اس کی بیوی ہانیہ کی آنکھ کھل گئی حالانکہ لائٹ جانے کی وجہ سے ان کی نیند تو خراب ہو گئی تھی مگر ان پر ابھی بھی غنودگی کا غلبہ طاری تھا وہ دونوں بھاگ کر صحن میں پہنچ گئے اور آئینا کو درخت کے پاس گرے ہوئے دیکھ کر ہانیہ کی آنکھوں سے آنسو اُمڈ آئے اس نے لرزتی ہوئی آواز میں آئینا کو پکارا۔ آئینا۔ آئینا۔ کیا ہوا میری بچی آنکھیں کھولو میری جان قریب پہنچ کر ہانیہ نے آئینا کا سر اپنی گود میں رکھ لیا جبکہ افسر علی اس کے ہاتھ پاؤں مسلنے لگا مگر بے سود آئینا ہوش میں آنے کا نام نہیں لے رہی تھی حالت کو سنگین ہوتا دیکھ کر افسر علی نے آئینا کو گاڑی میں ڈالا اور ہانیہ اپنی بیٹی کو سنبھال کر بیٹھ گئی جبکہ افسر علی نے گاڑی ہسپتال کی طرف بڑھا دی۔

آئینا کو چیک کرنے کے بعد جب ڈاکٹر زمان اپنے آفس میں پہنچا تو ہانیہ اور افسر علی بے صبری سے ڈاکٹر کا انتظار کر رہے تھے ڈاکٹر جیسے ہی آفس میں داخل ہوا ہانیہ اور افسر علی کھڑے ہو گئے ہانیہ نے گلوگیر لہجے میں کہا۔

ڈاکٹر صاحب کیا ہوا تھا میری بچی کو وہ ٹھیک تو ہے ناں۔

ڈاکٹر نے مایوسی سے ہانیہ کی طرف دیکھا اور اپنی کرسی پر بیٹھ گیا اور وہ چند ثانیے خاموش بیٹھا رہا۔ افسر علی اور ہانیہ کو گھورتا رہا اس کا انداز ایسا تھا جیسے جو بات وہ کرنا چاہتا ہے وہ ہانیہ کے سامنے کہنا مناسب نہ ہو اس نے گلا کھنکارتے

ہوئے کہا۔

مسز ہانیہ آپ کی بیٹی کو تھوڑی دیر بعد ہوش آجائے گا اور اس حالت میں آپ کا وہاں رہنا بہتر ہوگا باقی معاملہ میں افسر علی صاحب سے ڈسکس کرلیتا ہوں ہانیہ نے افسر علی کی طرف دیکھا اس کی آنکھوں میں تشویش کے سائے منڈلانے لگے تھے افسر علی نے محبت سے اس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

تم جاؤ میں جلد ہی آجاؤں گا افسر علی نے سوالیہ نظروں سے ڈاکٹر کی طرف دیکھا ڈاکٹر نے افسر علی کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور وہ کرسی پر بیٹھ گیا۔تو ڈاکٹر نے کہا۔

دیکھئے افسر علی صاحب میرا اور آپ کا تعلق صرف ڈاکٹر اور مریض کا ہی نہیں ہے بلکہ آپ میرے پرانے شناسا بھی ہیں مگر مجھے افسوس کے ساتھ آپکو یہ بتانا پڑ رہا ہے کہ آپ کی بیٹی ایک خطرناک بیماری کا شکار ہو چکی ہے افسر علی کے چہرے پر غم اور دکھ کے سائے منڈلانے لگے تھے ڈاکٹر نے چند لمحے توقف کے بعد دوبارہ کہنا شروع کیا۔

آپ کی بیٹی کے دماغ میں ہزیائی سیلز بری طرح سے متاثر ہوئے ہیں یہ سیلز آپ کے کان سے ذرا اوپر ہوتے ہیں ڈاکٹر نے اپنے سر میں بائیں کان سے ذرا اوپر اپنی انگلی لگاتے ہوئے نشاندہی کی ان سیلز کے متاثر ہونے کی بڑی وجہ کوئی ایسا حادثہ ہوتا ہے جو انسان کے اوسان خطا کردے بہرحال ڈاکٹر نے ٹھنڈا سانس لیتے ہوئے پھر کہا۔

اگر بات صرف سیلز متاثر ہونے کی ہوتی تو کوئی اتنا بڑا ایشو نہیں تھا۔مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ آپ کی بیٹی ملٹی پل پرسنالٹی کا شکار ہو چکی ہے ڈاکٹر زمان نے اپنی بات ختم کی تو افسر علی نے دکھ بھرے میں انداز میں کہا۔

ڈاکٹر صاحب اب اس کیس کو آپ کس طرح سے ہینڈل کریں گے مجھے بس اپنی بیٹی کی فکر ہے۔ڈاکٹر زمان نے کہا۔

علاج تو ضرور ہے اور کچھ میرے تعلقات بھی ہیں اور میرے اثر و رسوخ کی نسبت سے آپ کی بیٹی کا اچھا ٹریٹ منٹ ہوسکتا ہے لیکن اس کے لیے مجھے آپ کی بیٹی کو مینٹل ہاسپٹل میں منتقل کرنا ہوگا۔

کیا مینٹل ہاسپٹل میں۔افسر علی ہکا بکا رہ گیا یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں میری بیٹی کوئی پاگل نہیں ہے وہ ایک نارمل لڑکی ہے وہ تو کبھی بہت زیادہ بیمار بھی نہیں ہوئی پھر آپ اتنی سنگین بیماری کا کیسے کہہ سکتے ہیں اور بس ایک دورہ پڑا اور وہ سیدھا پاگل ہوگئی میں یہ ماننے کے لیے تیار نہیں ہوں بات کرنے کے دوران افسر علی کا لہجہ تیکھا ہوگیا تھا وہ بیٹی کی تکلیف سے رنجیدہ ہوکر نجانے کیا کیا بول رہا تھا۔

افسر علی آپ اپنے عزیزوں کی جگہ۔ابھی ڈاکٹر زمان بات مکمل بھی نہ کرپایا تھا کہ ٹیبل پر رکھے فون کی بیل بج اٹھی۔۔ڈاکٹر نے ایکسکیوز کرتے ہوئے فون اٹھایا اور دوسری طرف سے کسی کی بات سن کر فورا کھڑا ہوگیا اس کی پیشانی پر فکر مندی کی لکیریں نمودار ہوگئی تھیں دونوں آفس سے باہر نکلے اور بھاگتے ہوئے کوریڈور میں موجود ایک کمرے میں داخل ہوگئے۔ جہاں کا منظر دیکھ کر افسر علی کے اوسان خطا ہوگئے ہانیہ ایک طرف فرش پر گری ہوئی تھی اس کے ماتھے

سے خون رس رہا تھا وہ اپنے سر پر ہاتھ رکھے کراہ رہی تھی یقیناً نیچے گرتے وقت اس کا ماتھا زور سے فرش کے ساتھ ٹکرایا ہوگا جبکہ چار وارڈ بوائے آینا کو بیڈ پر قابو کرنے کی کوشش کر رہے تھے لیکن اس کا جسم بیڈ سے ایک فٹ اوپر اچھلتا تھا اور پھر دھڑام سے بیڈ پر گرتا تھا تب اس کے وجود کا ہر حصہ تنا ہوا ہوتا تھا یوں لگتا تھا کہ جیسے کوئی ماورائی قوت اس کو بیڈ پر اچھال رہی ہو۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور وہ عجیب سی زبان میں اونچا اونچا بول رہی تھی۔ یوں لگتا تھا گویا کئی مرد مل کر اس کے اندر سے بول رہے ہوں وہ کہہ رہی تھی معارش ہم کو چھوڑیں اس وہ چیک کر ان حروف کا ورد کر رہی تھی اور اپنے سر کو زور سے جھٹکے دے رہی تھی اس کی آنکھیں انگارہ ہو رہی تھیں یقیناً آینا کی وجہ سے ہی ہانیہ گر کر زخمی ہوئی تھی افسر علی کو اینا کی حالت دیکھ کر ڈر لگنے لگا پھر اچانک یہ سلسلہ رک گیا۔ جو نازک وجود چار مضبوط جسامت کے مالک لوگوں سے قابو نہیں آ رہا تھا وہ خود ہی بیڈ پر گر گئی مگر اس کا وجود اکڑ چکا تھا ہاتھ پاؤں پیچھے کی جانب مڑنے لگے تھے ڈاکٹر زمان نے جلدی سے ایک انجکشن اینا کو لگایا تو وہ آہستہ آہستہ نارمل ہونے لگی اس کا اکڑا ہوا جسم ڈھیلا پڑنے لگا۔ افسر علی ڈرتے ہوئے آگے بڑھا اس نے بیڈ پر بیٹھ کر اینا کے چہرے پر بکھرے بال ہٹائے تو اینا نے نظریں اٹھا کر اپنے باپ کی طرف دیکھا اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اس کے چہرے پر تکلیف کے آثار نمایاں تھے اینا نے بمشکل لب کھولے۔

بابا مجھے بچالیں وہ مجھے مار دے گا اینا کی آواز اب نارمل ہو چکی تھی افسر علی نے اس کے ماتھے پر بوسہ دیا اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر بولا۔

تمہیں کچھ نہیں ہوگا میری جان بابا سنبھال لیں گے اینا کے چہرے پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی مگر دوسرے ہی لمحے اس نے چلانا شروع کر دیا۔ بابا۔ بابا۔ وہ پرچھائی پھر آگئی ہے وہ مجھے مار دے گا بابا وہ دیکھیں وہ چھت سے چمٹا ہوا ہے مجھے گھور رہا ہے۔ مجھے بچالیں بابا اینا چلاتے ہوئے غنودگی کی کیفیت میں جانے لگی اس پر نشے کا انجکشن اثر انداز ہو رہا تھا افسر علی نے ڈاکٹر کی طرف دیکھ کر اثبات میں سر ہلایا تو ڈاکٹر سمجھ گیا کہ افسر علی اپنی بیٹی کو مینٹل ہاسپٹل میں منتقل کروانا چاہتا ہے۔

تین دن قبل اینا مینٹل ہاسپٹل میں منتقل ہو چکی تھی جبکہ ہانیہ کے ماتھے کی چوٹ اب ٹھیک ہو چکی تھی افسر علی روزانہ دفتر جاتے ہوئے اینا کو دیکھنے جاتا تھا مگر ہاسپٹل والے اسے ملنے نہیں دیتے تھے افسر علی بھی بحث کیے بغیر دل پر پتھر رکھ کر آ جاتا تھا اور ہانیہ کو جھوٹی تسلی دیتا تھا کہ اب اینا ٹھیک ہو رہی ہے ہانیہ نے ساتھ جانے کی ضد کی تو افسر علی نے اسے روک دیا افسر علی گھر میں بیٹھا اینا کے متعلق ہی سوچ رہا تھا کہ اسے ہاسپٹل سے کال موصول ہوئی کہ وہ ہاسپٹل پہنچے افسر علی نے مفاہمت کے تحت ہانیہ کو بتانے سے دریغ کیا اور خود ہاسپٹل آ گیا جب وہ ڈاکٹر شان کے دفتر میں پہنچا تو وہاں پر پہلے ہی سے چند افراد بیٹھے ہوئے تھے جب ڈاکٹر شان نے انہیں رخصت کیا تو پھر افسر علی کی طرف متوجہ ہوا افسر علی صاحب میں معذرت چاہتا ہوں کہ

آپ کو اچانک بلوانا پڑا۔

پلیز ڈاکٹر شرمندہ نہ کریں میں تو خود آپ سے ملنا چاہتا ہوں مگر جب سے اینا کو ایڈمٹ کروایا ہے کسی نے ہمیں کچھ نہیں بتایا میں اور میری مسز بہت پریشان ہیں۔

افسر علی کے لہجے میں فکرمندی عیاں تھیں ڈاکٹر شان نے گھمبیر لہجے میں کہا۔

آپ کی پریشانی بجا ہے وہ آپ کی اکلوتی بیٹی ہے دراصل میں آپ کی بیٹی کا کیس اسٹڈی کیا ہے اور آپ یقین کریں میں نے مکمل یکسوئی سے آپ کی بیٹی کی بیماری کو پرکھنے کی کوشش کی ہے مگر قابل ذکر امر یہ ہے کہ آپ کی بیٹی ملٹی پل پرسنالٹی ڈس آرڈر جیسی بیماری کا شکار ہے ہی نہیں ڈاکٹر شان نے افسر علی کی حیرانگی میں اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ اور اب جو میں آپ کو بتانے جارہا ہوں شاید آپ کو اس پر یقین نہ آئے ڈاکٹر شان خاموش ہوا اور افسر علی کے چہرے کا جائزہ لیا پھر بولا۔

یہ بات سچ ہے کہ آپ کی بیٹی کے ہیریائی سلیز متاثر ہوئے ہیں مگر ان کی حالت ایسی نہیں ہے کہ ملٹی پل پرسنالٹی کا شکار ہوجائیں اور جس طرح کی وہ حرکتیں کررہی ہیں بالکل ایسا ہی ایک کیس آج سے دس سال پہلے میں ہینڈل کرچکا ہوں مگر افسوس ناک بات یہ ہے کہ میں پنی سوچ کی وجہ سے اس مریض کو بچا نہ سکا کیونکہ اس سے پہلے میں ماورائی قوتوں بدروحوں اور پرچھائی جیسی کسی بات کو ماننے پر تیار نہیں تھا مگر اس بچی کی دردناک موت میری سوچ کے زاویوں کو بدل گئی۔۔۔ ڈاکٹر خاموش ہوا تو افسر علی بولا۔

آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔ کھل کر بات کریں اس کے لہجے میں چھپا ہوا ڈر جھانک رہا تھا ڈاکٹر شان نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

آپ کی بیٹی پر کسی بھوت پریت کا سایہ ہے

واٹ۔۔۔ افسر علی ایسے دھاڑا جیسے اسے بجلی کا شدید جھٹکا لگا ہو۔ یہ کیا بکواس ہے ڈاکٹر صاحب میں نہیں مانتا ان بے ہودہ باتوں کو اور پھر آپ تو ڈاکٹر ہیں اور سائنس ان مافوق الفطرت اور دقیانوسی باتوں کو خاطر خواہ نہیں لاتی افسر علی تیز لہجے میں بول گیا تھا ڈاکٹر شان افسر علی کی بات سن کر اپنی کرسی سے اٹھ گیا اور تیز لہجے میں بولا۔

آپ کی بیٹی کے پاس زیادہ سے زیادہ سات یا آٹھ دن بچے ہیں کیونکہ دس سال پہلے بھی میں ان دقیانوسی باتوں کو تسلیم نہیں کرتا تھا۔ مگر جب وہ لڑکی ٹھیک دن بعد دردناک موت مرگئی تب میں سمجھا اور میں نہیں چاہتا کہ اس دفعہ بھی میرے تمام سائنسی اوزار دھرے کے دھرے رہ جائیں اور پھر ایک معصوم زندگی ضائع ہوجائے۔

مطلب ڈاکٹر میری بیٹی پر بھوت پریت کا سایہ ہونا کس کی بات ہے افسر علی نہ چاہتے ہوئے بھی اٹھ کھڑا ہوا ڈاکٹر اسے ایک کمرے میں لے گیا جہاں پر بہت سارے ٹی وی رکھے ہوئے تھے اور ان میں ہاسپٹل کے مختلف کمروں کے مناظر دکھائی دے رہے تھے یقیناً ہاسپٹل انتظامیہ مسلسل اپنے مریضوں پر نظر رکھتی تھی ڈاکٹر نے کمرے میں موجود آپریٹر کو مخاطب کیا [illegible] کی دو دن پہلے والی ویڈیو فلم دکھائیں۔ آپریٹر نے لمحہ ضائع کیے بغیر چابک دستی سے اپنے سامنے رکھے کی بورڈ پر انگلیاں چلائیں تو ایل سی ڈی پر اینا کے سیل کی ویڈیو دکھائی دینے لگی اینا اپنے بیڈ پر بیٹھی گھٹنوں میں سر دیئے آگے پیچھے جھول کر

عجیب سی زبان میں کچھ بول رہی تھی وہ ایک ہی فقرہ بار بار بول رہی تھی اس کی آواز مردانہ تھی عجیب سی بھدی سی آواز تھی۔۔۔ ڈاکٹر نے افسر علی سے کہا۔

آپ کی بیٹی بار بار ایک ہی عمل دہراتی ہے اور ایک ہی فقرہ ہزاروں مرتبہ بولتی ہے ڈاکٹر کا اور پھر اس نے کی بورڈ پر ایک بٹن پریس کیا تو فلم فارورڈ ہونے لگی تھوڑی فلم فارورڈ کرنے کے بعد ڈاکٹر نے پلے کا بٹن دبا دیا اور افسر علی سے کہا۔ ذرا اب دیکھئے گا۔ اس نے افسعلی کی توجہ ایل سی ڈی کی طرف مبذول کرواتے ہوئے کہا تھا فلم چل رہی تھی ایسا بولتے ہوئے اچانک رک گئی پھر اسکے وجود کو ایک جھٹکا لگا تو وہ نارمل ہوگئی اور ساتھ ہی بیڈ کے کونے میں دبک کر بیٹھ گئی دو چور نظروں سے دائیں بائیں دیکھ رہی تھی جیسے کسی کو تلاش کر رہی ہو مگر کمرہ خالی نظر آرہا تھا پھر ڈاکٹر سان نے بٹن پریس کر کے فلم روکتے ہوئے کہا افسر علی صاحب ذرا یہاں غور کریں اس کونے میں آپ کی بیٹی کی پشت کی جانب کمرے کا یہ کونا غور سے دیکھئے گا یہاں پر فی الحال کچھ بھی نہیں ہے ڈاکٹر نے بات ختم کرتے ہی بٹن پریس کیا تو فلم چلنے لگی افسر علی غور سے اسی کونے کو دیکھ رہا تھا جس کی نشاندہی ڈاکٹر نے کی تھی اور پھر افسر علی کے رونگٹے کھڑے ہوگئے خوف کی وجہ سے اس کے ماتھے پر پسینے کے قطرے ٹمٹمانے لگے کیونکہ اس کونے میں اچانک ہی ایک سایہ نمودار ہونے لگا تھا وہاں پر یوں لگتا تھا جیسے کسی انسان کی پرچھائی ہو پھر اس سائے کا حجم آہستہ آہستہ بڑھنے لگا اور چھت کے ساتھ مل گیا۔

اب آپ کا کیا کہنا ہے اس سائے کے بارے میں۔ ڈاکٹر شان نے سرگوشی کی تو افسر علی چونک گیا وہ بہت ہی انہماک سے سائے کو دیکھ رہا تھا افسر علی نے شکستہ لہجے میں جواب دیا۔

ڈاکٹر شان یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ یہ کوئی الیکٹرانک پرابلم ہو میرا مطلب ہے ویڈیو کیمرے یا پھر لائٹ وغیرہ کی خرابی ہو۔

ڈاکٹر شان خاموشی سے افسر علی کے سپاٹ چہرے کو گھور رہا تھا۔ پھر اس نے سر کھجاتے ہوئے کہا ٹھیک ہے میں آپ کی بات سے اتفاق کر لیتا ہوں مگر دس سال پہلے والی ویڈیو بھی ایک بار دیکھ لیں شاید آپ کی تسلی ہو جائے۔

افسر علی کا دل ڈوب رہا تھا وہ یہ سب ماننے پر امادہ نہیں تھا مگر اس کے دل میں شک کی دراڑ پڑ چکی تھی۔ جس کی بھرپائی بھی توجہ طلب تھی اس نے اثبات میں گردن کو جنبش دی تو ڈاکٹر نے کمرے سے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

پرانی ویڈیو فلم کو ہم ہاسپٹل سے ملحقہ سٹور روم میں رکھتے ہیں اور سٹور روم ہاسپٹل کے عقبی حصہ میں ہے ہمیں وہیں جانا ہوگا۔

افسر علی خاموشی کے ساتھ ڈاکٹر کے پیچھے پیچھے چلنے لگا وہ لوگ کوریڈور کراس کرتے ہوئے لابی میں پہنچے اور پھر عقبی دروازے سے نکل کر عمارت کے عقبی حصہ میں آگئے یہاں پر چھوٹا سا صحن تھا اور برگد کے درخت کے سائے میں ایک چھوٹا سا کمرہ بنا ہوا تھا جس کے باہر ایک بوڑھا چوکیدار کرسی پر براجمان ڈائجسٹ پڑھنے میں مصروف تھا ان دونوں کو اپنی طرف بڑھتا ہوا دیکھ کر چوکیدار کھڑا ہوگیا افسر علی نے حیرانگی سے درخت کو دیکھا یہ پت جھڑ کا موسم نہیں تھا پھر بھی اس کے پتے جھڑ رہے تھے صحن کی گھاس پر زرد پتوں کی

بہتات تھی قریب آنے پر چوکیدار نے انہیں سلام کیا ان دونوں نے سلام کو جواب دیا تو ڈاکٹر شان نے چوکیدار سے کہا۔

عثمان دروازہ کھولو۔ اس نے جلدی سے حکم کی تعمیل کی اور جیب سے چابی نکالی اور لاک کھول کر اس نے ایک ہاتھ سے دھکا دے کر دروازہ کھولنا چاہا مگر دروازہ ٹس سے مس نہ ہوا گویا اندر سے ہی بند ہو چکا تھا۔ چوکیدار نے حیرانگی سے دروازے کی سمت دیکھا اور منہ میں بڑبڑایا اسے کیا ہو گیا ہے یہ تو ٹھیک تھا۔ پھر اس نے اپنا کندھا دروازے سے ٹیکا اور پاؤں زمین پر جما کر پوری قوت سے دروازے پر ضرب لگا دی پھر کہیں جا کے دروازہ فرش کے ساتھ گھسٹتا ہوا کھلتا چلا گیا وہ دونوں اندر داخل ہو گئے۔ ڈاکٹر شان نے بٹن دبا کے بلب آن کیا تو بلب پھڑپھڑاتے ہوئے کھلتا ہوا روشن ہو گیا۔ اس کمرے میں تین ریک رکھے ہوئے تھے جن کے خانوں میں گتے کے ڈبے ترتیب سے رکھے ہوئے تھے جو کہ گرد سے اٹے ہوئے تھے۔ اسی کمرے میں دروازے کے ساتھ ہی کمپیوٹر رکھا ہوا تھا جس کو کپڑے سے ڈھانپ رکھا تھا ڈاکٹر نے دھول سے اٹا ہوا کپڑا اتار کے ایک طرف پھینک دیا اور پھر کمپیوٹر کو آن کیا جیسے ہی کمپیوٹر آن ہوا تو ڈاکٹر ایک ریک کی جانب بڑھا ریک میں ایک سے ڈبے کو اٹھا کر تھوڑی دیر تک ان کی ڈیٹ اور نام دیکھتا رہا۔ مختصری تگ و دو کے بعد ڈاکٹر کو مطلوبہ ڈبل گیا ڈاکٹر نے پھونک ماری تو ڈبے کے اوپر سے گرد کا معمولی سا غبار ہوا میں بلند ہو کر ہوا میں ہی معلق ہو گیا ڈاکٹر شان نے ڈبے میں سے ڈسک نکال کر کمپیوٹر کی جانب بڑھا تو افسر علی کی نظر اس کمرے کے کونے میں پڑی جہاں پر چوکیدار ریک سے ٹیک لگائے مسکرا رہا تھا اس کی نظروں کا محور افسر علی ہی تھا افسر علی نے اس کی مسکراہٹ کو نظر انداز کرتے ہوئے چہرہ موڑ لیا پھر اچانک ہی کمرے کے باہر سے چوکیدار نے اندر جھانکا اور بولا۔

صاحب چائے لاؤں آپ کے لیے اس کے الفاظ بم بن کر افسر علی پر گرے افسر علی کے اوسان خطا ہو گئے اور وہ لڑکھڑا گیا اس نے گرتے ہوئے ایک ریک کی سلاخوں کو مضبوطی سے تھام لیا اس نے گردن گھما کر پیچھے دیکھا جہاں پر چند لمحے پہلے چوکیدار کھڑا مسکرا رہا تھا مگر کمرہ خالی تھا اس میں صرف ڈاکٹر شان اور افسر علی ہی موجود تھے افسر علی کے حلق سے گھٹی گھٹی سی آواز نکلی یہ چوکیدار چند لمحے پہلے اندر تھا۔ اس نے چوکیدار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔ مگر یہ اتنی جلدی نظر میں آئے بغیر باہر کیسے چلا گیا ڈاکٹر شان نے غلطی سے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھی اور افسر علی کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا جبکہ چوکیدار آنکھیں پھاڑے افسر علی کو گھور رہا تھا اس کی آنکھوں میں بے یقینی اور حیرت کا ملا جلا تاثر پنہاں تھا افسر علی سیدھا ہو کر کھڑا ہو گیا اس نے ایک دفعہ پھر کمرے کا طائرانہ جائزہ لیا مگر کمرے میں ان دونوں کے علاوہ کوئی نہیں تھا ڈاکٹر شان نے ایک فلم چلا دی کی ایک پندرہ یا سولہ سترہ سالہ لڑکی فرش پر بیٹھی اپنے ناخنوں سے دیوار کھرچ رہی تھی اس کے ناخن ٹوٹ رہے تھے اور اس کی انگلیاں خون آلود ہو چکی تھیں مگر وہ اس درد سے بے نیاز دیوار کا پلستر کھرچنے میں مصروف تھی اور ساتھ ہی وہ ایک بھاری بھرکم آواز میں ان الفاظ کا ورد کر رہی تھی جاذلاش یکمنی ازنیم۔ پھر اچانک ہی وہ نارمل ہو گئی

اور اس نے سسک کر رونا شروع کر دیا۔ اور اپنے زخمی ہاتھ کو دبانے لگی اسے اب تکلیف کا احساس ہو رہا تھا اس نے روتے ہوئے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

مجھے چھوڑ دو۔۔ خدا کے لیے مجھے چھوڑ دو پھر اس لڑکی نے دردناک چیخ مارتے ہوئے چھت پر لگے پنکھے کی طرف اشارہ کیا اور چلائی کوئی ہے خدا کے لیے کوئی تو مجھے اس پرچھائی سے بچاؤ وہ دیکھو وہ پنکھے سے چمٹی ہوئی ہے پلیز خدا کے لیے مجھے یہاں سے نکالو۔

جیسے ہی لڑکی نے اپنی بات مکمل کی ڈاکٹر شان نے ویڈیو روک دی اور افسر علی کی توجہ پنکھے کی جانب کرواتے ہوئے بولا اب آپ اس پنکھے کو غور سے دیکھئے گا شاید آپ کو یقین آجائے پھر ڈاکٹر نے فلم پلے کر دی اور ساتھ ہی ان پنکھے پر سیاہ سایہ نظر آنے لگا۔ اس پرچھائی کے وہاں ہوتے ہی پنکھا معمولی سی جنبش کرنے لگا تھا پھر وہ پرچھائی غائب ہو گئی اور اس لڑکی کی دردبھری چیخیں گونجنے لگیں تھیں ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ پرچھائی نادیدہ طور پر اس لڑکی پر تشدد کر رہی ہو۔ پھر وہ لڑکی یک لخت ہوا میں کسی روئی کے گالے کی طرح بلند ہوئی چھت سے ٹکرائی اور اس کا سر لہولہان ہو گیا پھر وہ کٹے ہوئے شہتیر کی مانند فرش پر آن گری اور اس کی گردن ٹوٹ کر ایک طرف ڈھلک گئی اس کے حلق سے چند لمحوں تک غوں غاں کی آوازیں نکلتی رہیں پھر خاموشی چھا گئی افسر علی کا یہ سب دیکھ کر دل زور زور سے دھڑکنے لگا تھا اس کے خون کی گردش تیز ہو گئی تھی اور باعث خوف اس پر سکتے کی سی کیفیت طاری ہو گئی تھی پھر ڈاکٹر شان نے کمپیوٹر کو آف کر دیا اور وہ

دونوں کمرے سے باہر آگئے چوکیدار کن انکھیوں سے افسر علی کو دیکھ رہا تھا اس نے سلام کرتے ہوئے دروازے کو پکڑ کر زور سے بند کرنے کی کوشش کی مگر دروازہ بڑے ہی آرام سے بند ہو گیا چوکیدار حیرانگی سے دروازے کو دیکھ رہا تھا اس نے دو تین بار دروازے کو کھولا اور بند کیا مگر اب دروازہ فرش سے رگڑ نہیں کھا رہا تھا۔ افسر علی بھی حیرانگی سے چوکیدار کو دروازہ بند کرتے ہوئے دیکھ رہا تھا اسی کشمکش میں مبتلا افسر علی ڈاکٹر شان کے پیچھے چلتا ہوا ہاسپٹل کے اندرونی حصے کی جانب بڑھنے لگا چلتے ہوئے ڈاکٹر شان نے تاسف سے پوچھا۔

افسر علی صاحب اب بتائیں کہ آپ کی رائے کیا ہے کیا جو کچھ آپ نے ابھی دیکھا جیسے پہلے دروازے کا فرش سے گھس کر کھلنا پھر آپ کو چوکیدار کی موجودگی کا کمرے میں احساس ہونا اور ویڈیو فلم کے متعلق آپ کی سوچ کیا ہے۔

افسر علی کی زندگی میں ایسے واقعات پہلے رونما نہیں ہوئے تھے مگر ان مثبت پہلوؤں کے آگے وہ اپنے آپ کو کمزور محسوس کر رہا تھا اس کی سوچ کا دائرہ اس پرچھائی میں الجھ کر رہ گیا تھا افسر علی نے مذبذب سے جواب دیا۔

ڈاکٹر صاحب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ کوئی نادیدہ مخلوق میری بیٹی پر اثر انداز ہو رہی ہے اس لیے مجھے اس مسئلے کو سلجھانے کے لیے کوشش کرنا ہوگی تاکہ میری بیٹی پر کوئی آنچ نہ آئے

ویری گڈ افسر علی۔ مجھے خوشی ہے کہ آپ نے اپنی بوسیدہ سوچ کو بالائے طاق رکھ کر ایک اچھا فیصلہ کیا ہے اور آپ کے لیے میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ ایک دفعہ کسی فقیر پیر کے پاس لازمی جائیں

کیوں نہیں میں ہر ممکن کوشش کروں گا کہ کوئی بہترین تدبیر میری بیٹی کی زندگی آسان کردے لیکن مجھے آپ سے ایک ریکوسٹ کرنی ہے۔

جی جی بولیے اگر آپ مجھے اپنا ی بنائی گئی ویڈیو فلم کی ایک کاپی دے دیں تو آپ کا احسان ہوگا۔ اس کے بعد افسر علی نے چند منٹوں کے لیے اپنا کو دیکھا مگر اسے کمرے میں جانے کی اجازت نہ ملی کیونکہ اس پر پرچھائی کا اثر تھا اس کے بعد افسر علی اپنا فلم کی ڈسک لے کر گھر کے لیے روانہ ہوگیا۔

وہ گھر آنے کی بجائے ایک پیر کے پاس جا پہنچا اس پیر کے متعلق وہ اخبارات میں اشتہارات دیکھتا رہا تھا اس لیے وہ سیدھا آستانے پر پہنچا کیونکہ اعصاب شکن حالات نے افسر علی کے اعصاب چٹخا دیے تھے اور وہ جلد از جلد اس مسئلے کا حل چاہتا تھا جب افسر علی آستانے میں داخل ہوا تو اگربتیوں کی ناگوار سمل نے اس کا استقبال کیا اندر لال رنگ کی ہلکی سی روشنی پھیلی ہوئی تھی اور پیر صاحب چارپائی پر بیٹھے ہوئے تھے اور اس کا ایک مرید چارپائی کے قریب زمین پر بیٹھا ہوا تھا اور پنکھے سے ہوا دے رہا تھا۔ پیر صاحب تسبیح پڑھنے میں مصروف تھا افسر علی نے سلام کیا اور پیر صاحب کے سامنے نیچے زمین پر بچھے ہوئے قالین پر بیٹھ گیا۔ مرید اور پیر دونوں نے افسر علی کے مہنگے سوٹ بوٹ کو غور سے دیکھا اور پھر مرید ڈرامائی انداز میں بولا۔

بچہ تو پیر سائیں کنڈلی شاہ کے دربار پر آیا ہے بتا کھل کے اپنا مسئلہ بتا تمہارا ہر الٹا کام سیدھا ہوجائیگا پیر سائیں کے اکیس موکل ہیں ہر توڑ کا حل ہے ان کے پاس۔

مرید نے رٹے رٹائے الفاظ دہرائے اسکے لہجے میں ظاہر تھا کہ وہ افسر علی کی شخصیت سے متاثر ہوکر اپنے جال میں پھنسانا چاہتا تھا کیونکہ وہ اسے موٹی آسامی سمجھ کر لوٹنا چاہتا تھا اپنی بات مکمل کرنے کے بعد اس نے پیر صاحب کی طرف دیکھا گویا اپنے انداز پر داد وصول کرنا چاہتا ہو افسر علی نے تمام قصہ ان کے گوش گزار اتو مرید بولا۔

تمہارا کام ہوجائے گا بچہ تو جا اور بے فکر ہوجا اور بس اپنی بیٹی کا خیال رکھا اور اکیس دن بعد آکر تعویذ لے کر جانا جس پر پیر صاحب اکیس دن تک چلا کاٹیں گے مرید کا انداز ڈرامائی تھا اور وہ لے میں بولنے کی کوشش کرتا تھا افسر علی نے فکر مندی سے کہا۔

مگر میری بیٹی کے پاس اکیس دن نہیں ہیں اگر چار یا پانچ دنوں میں کوئی حل نکل آئے تو بڑی نوازش ہوگی۔

مرید نے پریشانی سے پیر کی طرف دیکھا تو پیر صاحب نے ایک ادا سے گردن کو ہاں میں جنبش دی تو مرید فوراً سے بولا۔

ٹھیک ہے ہوجائے گا مگر اس کا ہدیہ زیادہ ادا کرنا پڑے گا کیونکہ اکیس دن کا چلہ چار دنوں میں پورا کرنا مشکل ہے۔

بات ختم کرنے کے بعد مرید افسر علی کو گھورنے لگا وہ اس کے جواب کا منتظر تھا اور افسر علی کو یقین ہوتا جارہا تھا کہ یہ دونوں ڈھونگی ہیں مگر پھر بھی اس نے با دل نخواستہ ہدیہ کے متعلق پوچھا تو مرید کی باچھیں کھل گئیں اور وہ کسی ٹیپ ریکارڈ کی طرح شروع ہوگیا۔

ایک کالا بکرا ایک دیسی مرغ وہ بھی کالا دس

گز ریشمی سیاہ کپڑا اور ساتھ ہیں ہزار روپے اور تمہارا کام سو فیصد گارنٹی سے ہوگا۔

افسر علی ایک باشعور انسان تھا اور پیر مرید کے ڈھونگ کو بخوبی سمجھ رہا تھا تم لوگ میری مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہو تمہیں اس بات سے کوئی غرض نہیں ہے کہ کسی معصوم انسان کی زندگی خطرے میں ہے تمہیں غرض ہے تو بس اپنا پیٹ بھرنے کی کوئی مرے یا زندہ رہے تمہیں کوئی فکر نہیں ہے اور مجھے یہ بہت افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ تم انسان کہلانے کے بھی لائق نہیں ہو۔ کیونکہ تم لوگ معصوم لوگوں کو لوٹتے ہو افسر علی بولا تو پھر بولتا ہی چلا گیا۔ پیر اور مرید ہکا بکا افسر علی کا منہ دیکھ رہے تھے پھر مرید چلا کر بولا۔

ارے واہ! انجان بدو تم پیر صاحب کی توہین کر رہے ہو دفع ہو جاؤ اور [illegible] الٹے بھوت پریت اور پرچھائی ہر کام الٹا کرتی ہے بالکل اسی طرح تمہارا بھی ہر کام الٹا جائے گا۔ مرید کے منہ میں جو بھی الٹا سیدھا آیا اس نے بک دیا مگر افسر علی کے ذہن میں جھماکا سا ہوا کیونکہ مرید انجانے میں ایک ایسی بات کہہ گیا تھا جس نے افسر علی کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

الٹا۔ بھوت پریت پرچھائی ہر کام الٹا کرتے ہیں ان کے وجود کی عکاسی ان کے پاؤں کرتے ہیں جو کہ الٹے ہوتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ بھوت پریت یا پرچھائی وغیرہ بولتے بھی الٹا ہی ہوں گے اس خیال کے آتے ہی افسر علی وہاں سے چل دیا جبکہ مرید اور پیر صاحب اسے ہونقوں کی طرح تکتے رہ گئے۔

افسر علی نے گھر آ کر اینا کی ویڈیو فلم دیکھنی شروع کر دی وہ خوفناک آواز میں کہہ رہی تھی۔

اریم مان ریپط۔ اینا نے بار بار یہی الفاظ دہرائے تھے وہ اضطرابی کیفیت میں سگریٹ سلگایا اور ایک گہرا کش لے کر سگریٹ کو ایش ٹرے میں رکھ دیا۔ وہ ذہنی دباؤ کا شکار ہو رہا تھا اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا اس انٹرنیٹ پر بھی یہ الفاظ ڈال کر ریسرچ کی مگر بے سود ان الفاظ کا مطلب پتہ نہ چلا آخر یہ کون سی زبان ہے وہ زیر لب بڑبڑایا اور اس نے سگریٹ کا کش لے کر سگریٹ دوبارہ ایش ٹرے میں رکھ دی اس نے کاغذ پنسل اٹھائی اور پہلے لفظ کو گھورنے لگا وہ اریم۔ لفظ تھا اس کے ذہن میں ایک ہی لفظ گونج رہا تھا الٹا الٹا۔ پھر اس نے سب سے پہلے کاغذ پر م اور پے لکھا اس کے بعد لفظ ر تھا پھر آخری لفظ الف تھا اس نے لفظ اریم کو الٹی طرف سے کاغذ پر لکھ لیا تھا پھر اس نے ان الفاظوں کو الٹی طرف سے جوڑ کر لکھنا شروع کیا پہلے م تھا پھر پے اس نے ملا کر لکھا تو لفظ میر بن چکا تھا آگے الف تھا اس نے ساتھ لگایا تو لفظ میرا بن چکا تھا پھر اس نے لفظ مان کو لیا پہلے اس نے ن لکھا آگے الف اور م تھا اس نے ن اور الف کو ملایا تو لفظ نا بن گیا پھر آخری لفظ م جوڑا تو لفظ مکمل ہو کر نام بن چکا تھا پھر اس نے باترتیب تمام ویڈیو دیکھیں اور تمام الفاظ کو نوٹ پیڈ پر لکھ لیا اور اس نے ان کو الٹی جانب سے جوڑنا شروع کر دیا۔ تو چھوٹی سی عبارت بن چکی تھی جس نے افسر علی کے رونگٹے کھڑے کر دیئے تھے وہ عبارت کچھ اس طرح سے تھی۔

میرا نام ہے ظہیر اور مجھے آزادی چاہیے اگر مجھے آزادی نہ ملی تو میں کسی کو بھی نہیں چھوڑوں گا

میں سب کو اذیت دوں گا اور بالآخر موت انسانوں کا مقدر بنے گی اور میں تمہیں بھی مار دوں گا نا سمجھ لڑکی تمہیں کوئی بچا نہیں سکتا۔

ایانا نے بار بار یہی الفاظ دہرائے تھے افسر علی کو اپنی بیٹی کی فکر لاحق ہوئی تھی کیونکہ ایانا پر سوار پرچھائی ایانا کو یہ باور کرانے کی کوشش کر رہی تھی کہ اسے آزادی چاہیے اور اگر اسے آزادی نہ ملی تو یقیناً ایانا کو وہ موت کے گھاٹ اتار دے گی اس نے سوچتے ہوئے سگریٹ کا کش لینا چاہا تو اس کی دبی دبی سی چیخ نکل گئی وہ جھٹکے سے کرسی سے اٹھ گیا کیونکہ اس کے ہاتھ میں انسان کی کٹی ہوئی انگلی پکڑی ہوئی تھی جو کہ خون آلود تھی اس نے جلدی سے انگلی دور پھینک دی اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا افسر علی نے غیر ارادی طور پر انگلی ہونٹوں سے لگائی تھی کیونکہ ذہنی انتشار کی بدولت اسے پتہ نہیں چلا کہ اس کے ہاتھ میں سگریٹ نہیں بلکہ کٹی ہوئی انگلی پکڑی ہوئی ہے اب اسے اپنے ہونٹوں پر چپچپاہٹ محسوس ہو رہی تھی اس نے اپنے ہونٹوں کو رگڑ ڈالا پھر اس نے انگلی کی جانب دیکھا تو حیرت سے دنگ رہ گیا کیونکہ اب اس جگہ پر کٹی ہوئی خون آلود انگلی نہیں بلکہ سگریٹ پڑا تھا۔ اسنے جلدی سے اپنے ہاتھ کی طرف دیکھا وہ خون آلود تھا اسی وقت لائٹ ڈیم ہونا شروع ہوگئی۔ آہستہ آہستہ لائٹ مدھم ہوتے ہوئے چلی گئی افسر علی جلدی سے بیڈ پر دبک کر بیٹھ گیا دوسرے کمرے میں ہانیا سو رہی تھی اس کا دل چاہا کہ وہ اسے آواز دے کر بلائے پھر یہ سوچ کر خاموش رہا کہ وہ یہ سب برداشت نہیں کر پائے گی افسر علی کی نظر اچانک ہی کھڑکی سے باہر گئی تو صحن کا بلب آن تھا اس کا مطلب تھا کہ لائٹ صرف اس کے کمرے کی ہی آف ہوئی تھی افسر علی اس صورت حال سے نمٹنے کے لیے حکمت عملی بنا ہی رہا تھا کہ اچانک لائٹ آ گئی افسر علی نے سکھ کا سانس لیا اچانک ہی ٹیبل پر رکھے اوراق اور اخبارات وغیرہ خود بخود اڑنے لگے اور چلتے ہوئے پنکھے سے ٹکرا کر پرزوں میں تقسیم ہو کر نیچے گرنے لگیں۔ تمام کاغذات پھٹ رہے تھے پورا کمرہ کاغذوں سے بھر گیا مگر بیڈ پر کوئی کاغذ یا پرزہ نہ گری تھی اچانک کاغذات اڑنا بند ہوگئے افسر علی کا سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔ وہ کافی دیر سہما بیٹھا رہا مگر کمرے میں مزید غیر معمولی حرکت نہیں ہو رہی تھی اس نے آہستگی سے اٹھنا چاہا تو اسے اپنے ہاتھ کے نیچے کاغذ کا احساس ہوا اس نے اٹھنے کا ارادہ ترک کر کے پانی بھیگی ۔۔۔۔ کے نیچے سے کاغذ اٹھا کر دیکھا یہ ایک اخبار میں پھٹی ہوئی تراشی تھی جس پر صرف یہ حروف باقی رہ گئے تھے 15to1986 افسر علی نے چند لمحوں تک کاغذ کو غور سے دیکھا پھر نیچے پھینک کر کھڑا ہو گیا اور ہانیا کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

صبح ہوتے ہی افسر علی نے ہانیا کو اپنی بہن کے گھر چھوڑنے کا فیصلہ کیا۔ کیونکہ رات کو ہونے والے واقعے نے افسر علی کو ڈرا دیا تھا اسے ہانیا کی فکر لاحق ہوگئی تھی اور وہ ہانیا کو اس معاملے میں سے دور رکھنا چاہتا تھا اس نے ہانیا کو کسی طرح راضی کر لیا کہ وہ اس کی بہن کے گھر چند دن گزار آئے ہانیا بھی ماحول کی تبدیلی کی بدولت مان گئی اس نے ہانیا کو گاڑی میں بٹھا کر گاڑی باہر نکالی اور پھر دروازے کو لاک کرنے کی غرض سے دروازے کی سمت بڑھا اور تالا لگانے لگا اچانک

ہی اس کی نظر دروازے کے ساتھ دیوار پر لگی نیم پلیٹ کی جانب اٹھ گئی۔تو اس کی آنکھیں پھیل گئیں کیونکہ وہاں پر لکھا ہوا تھا تعمیر 1986 رات کو ہونے والا واقعہ اس کی نظروں کے سامنے گھوم گیا رات کو کمرے میں اتنے زیادہ کاغذات اڑ رہے تھے مگر اس کے ہاتھ کے نیچے صرف ایک ہی کاغذ آیا جس پر لکھا ہوا تھا 15to1986-یعنی 1986 میں یہ مکان بنا تھا اور پندرہ کا مطلب یہ پلیس کا نمبر بھی ہوسکتا ہے کہ ظہیر نامی شخص کے ساتھ 1986 میں کوئی حادثہ رونما ہوا تھا گھر میں اب اس بات میں کیا سچائی پنہاں تھی یا یہ محض افسر علی کا مفروضہ تھا اسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔

افسر علی بابا کو چھوڑ کر شہر کی پرانی لائبریری میں پہنچا یہاں پر ہر طرح کی نئی پرانی کتابیں مل جاتی تھیں جبکہ اس کے علاوہ اس کی خاص بات یہ بھی تھی کہ یہاں پر پرانی اور نئی اخبارات کا ریکارڈ بھی رکھا جاتا تھا۔افسر علی پیر صاحب سے ناامید ہوچکا تھا اور جب تک یہ کچھ نہیں کرسکتا تھا جب تک ظہیر نامی شخص کے بارے میں جان نہ لیتا اور پرچھائی کا راز جاننے کے لیے یہ بے حد ضروری تھا۔وہ لائبریری اس لیے آیا تھا کہ اس پرچھائی نے 1986 کی طرف اشارہ کیا تھا۔اور کوئی روح اس وقت بھٹکتی ہے جب اس کے ساتھ کوئی اندوہناک حادثہ ہوا ہو اور اگر اس وقت کوئی قابل ذکر واقعہ ہوا تھا تو اس بات کی قوی امید تھی کہ اس کا تذکرہ اخباروں میں ہوا ہو فی الحال افسر علی یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا کہ کس حد تک کامیاب ہوگا مگر اندھیرے میں تیر چلانا کارگر بھی ہوسکتا تھا افسر علی کو لائبریرین ایک بوسیدہ سے کمرے میں لے آیا یہاں پر اخباروں کے انبار رکھے ہوئے تھے اس نے کوٹ اتار کر ایک جانب رکھا اور آستین چڑھا کر اخباروں کو کھنگالنے میں مصروف ہوگیا دو گھنٹے تک لگاتار وہ اخباروں کے انباروں کو اتھل پتھل کر دیکھتا رہا مگر بے سود بالآخر وہ تھک ہار کر زمین پر دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا ابھی تک اس نے چند اخباروں کے بنڈل چیک کیے تھے اور وہ اکتا گیا تھا اس کو آہستہ آہستہ سردی کا احساس ہونے لگا اس کمرے میں پنکھا نہیں تھا اور پہلے اسے اچھی خاصی حبس محسوس ہورہی تھی اور وہ پسینے سے شرابور ہوچکا تھا سردی کا احساس بڑھنے کے ساتھ کمرے میں دھند بھی چھانے لگی افسر علی سمٹ کر بیٹھ گیا اسے احساس ہوگیا کہ پرچھائی کمرے میں موجود ہے اس نے کھلے ہوئے دروازے کی جانب دیکھا وہ بھاگنے کا ارادہ کرہی رہا تھا کہ دروازے کے پٹ کھڑاک سے آپس میں ٹکرائے اور دروازہ بند ہوگیا خوف سے افسر علی کے ہاتھ پاؤں کام کرنا چھوڑ گئے جبکہ افسر علی حیرانگی سے دروازے کی سمت دیکھ رہا تھا پھر اسے دروازے پر سائے کا احساس ہوا افسر علی نے آنکھیں سکیڑ کر غور سے دیکھنے کی کوشش کی وہ سایہ آہستہ آہستہ بڑھنے لگا اور پھر چند سیکنڈ میں ہی دروازے پر کالی پرچھائی واضح طور پر دکھائی دینے لگی وہ پرچھائی بھی زمین سے جالی اور کبھی دروازے کے اوپری سرے پر منڈلانے لگتی پھر وہ پرچھائی دیوار کے ساتھ ساتھ اخباروں کے انبار پر منڈلانے لگی اس نے افسر علی کے سامنے والی دیوار پر ایک چکر لگایا یوں لگتا تھا کہ جیسے وہ افسر علی کو متوجہ کرنا چاہتی ہو اچانک پرچھائی اخباروں کے انبار کے درمیان میں رک گئی وہ کافی دیر اسی

جگہ پر ساکت کھڑی رہی پھر وہ پرچھائی نیچے
اترنے لگی اور زمین کے ساتھ مل گئی پھر تھوڑی دیر
کے بعد پرچھائی غائب ہوگئی دھند چھٹنے لگی سردی
کا احساس جاتا رہا افسر علی کو اس بات کا یقین ہوگیا
تھا کہ یہ پرچھائی افسر علی کو نقصان نہیں پہنچانا
چاہتی بلکہ اسے سراغ دے رہی ہے کہ وہ ظہیر کی
کہانی جان سکے افسر علی نے اس جگہ سے اخبار
نکالنا شروع کیے جہاں پر پرچھائی غائب ہوئی تھی
دو تین اخباروں کے بعد افسر علی کے ہاتھ میں
1986 کا اخبار آگیا جس کے فرنٹ پیج پر یہ خبر
بڑی ہیڈ لائن میں شائع ہوئی تھی بینک ڈکیتی کیس
میں ملوث بینک کا کیشئر روپوں سمیت گرفتار جبکہ
ساتھی ظہیر فرار اس نے تفصیل پڑھنا شروع کی
ایک مسلح شخص نے اس وقت بینک لوٹ لیا جب
لنچ بریک کا ٹائم تھا وہ شخص بینک میں داخل ہوا
اور گن پوائنٹ پر بینک کے عملے کو یرغمال بنا کر
چالیس لاکھ روپے لے کر فرار ہوگیا افسر علی گہری
سوچ میں ڈوب گیا اس گتھی کی کڑیاں خود بخود ملتی
جارہی تھیں اس کو اس بات کا یقین ہوگیا تھا کہ یہ
پرچھائی اس کو نقصان نہیں پہنچا سکتی اور آئینا کو وہ
اس لیے مارنا چاہتی تھی کیونکہ آئینا اس کی باتیں
سمجھنے سے قاصر تھی تو کیا یہ پرچھائی میری رہنمائی
کررہی ہے اس خیال کے آتے ہی افسر علی نے
اپنے کوٹ کی جیب سے موبائل نکالا اور اخبار کی
تصویر بنائی اب اس کے ذہن میں صرف ایک ہی
نمبر گھوم رہا تھا۔ 15۔۔

آدھے گھنٹے کے بعد افسر علی متعلقہ تھانے
میں بیٹھا ہوا تھا اس نے تھوڑی تذبذب کے بعد
تمام قصہ انسپکٹر کے گوش گزار کردیا تھا کہ کوکہ

افسر علی کے لیے یہ بہت ہی مشکل کام تھا مگر اس
نے الفاظوں کا ایسا جال بنا کہ انسپکٹر مبہوت سا
ہوکر افسر علی کی کہانی سنتا رہا اس کے چہرے پر پھیلی
ہوئی پریشانی کی شکنیں دیکھ کر افسر علی نے موبائل
سے اخبار کی فوٹو بھی دکھا دی انسپکٹر نے ٹچ
اسکرین پر سرخی کو بڑا کر کے پڑھا اور پھر بولا۔
دیکھئے افسر علی صاحب یہ بہت ہی پرانا قصہ
ہے پتہ نہیں اس کا ریکارڈ بھی ہوگا تھانے کے
پاس کہ نہیں ہوگا یہ کہنا مشکل ہے یہ میری فیملی کی
زندگی کا سوال ہے میں نہیں جانتا کہ میں اس میں
کس حد تک کامیاب ہوسکتا ہوں مگر میرے دل
کے کسی گوشے میں یہ صدا بلند ہوتی ہے کہ ظہیر نامی
شخص کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے اور اگر اس کیس
میں آپ میری کوئی ہیلپ کرسکتے ہیں تو ٹھیک ہے
ورنہ مجھے آپ کے سینئر سے بات کرنا پڑے گی
انسپکٹر نے برا سا منہ بناتے ہوئے ایک کانسٹیبل کو
آواز دی اور ضروری ہدایت دینے کے بعد اسے
رخصت کردیا اور خود مختلف فائلز کی ورق گردانی
میں مصروف ہوگیا جبکہ افسر علی اضطرابی کیفیت
میں موبائل کو ہاتھ میں بار بار گھمارہا تھا کافی دیر
کے بعد وہ کانسٹیبل دوبارہ کمرے میں وارد ہوا
اور ایک فائل ٹیبل پر رکھ کر کمرے سے چلا گیا۔
انسپکٹر نے کن انکھیوں سے افسر علی کو دیکھا اس کے
چہرے سے شرمندگی عیاں تھی اس فائل کو کھولا
اور پڑھنے لگا۔
21.1.1986 کو ہونے والی ڈکیتی میں
گواہوں کے بیانات سے یہ بات سامنے آئی تھی
کہ بینک میں صرف سوموار کو ہمیں سے چالیس
لاکھ روپے آتے تھے جو لنچ ٹائم کے بعد ایک بینک
کی سیکیورٹی والی گاڑی تمام رقم لے جاکر ایک

برانچ میں جمع کروائی تھی لیکن اس بات کا علم بینک کے عملے کے سوا کسی کو نہیں ہوتا تھا پھر ایک منہ پر کپڑا لپیٹے ایک شخص بینک میں آتا ہے اور گن پوائنٹ پر عملے کو یرغمال بنا کر تمام رقم لوٹ کر فرار ہو جاتا ہے، چہرہ چھپا ہونے کی وجہ سے کوئی مجرم کو نہ پہچان سکا پولیس نے بینک کے عملے کو شک کے گھیرے میں رکھتے ہوئے تفتیش شروع کی تو بینک کا کیشیر اس میں ملوث پایا گیا پولیس نے منور کا چھاپا گیا اور ایک مکان سے منور بیس لاکھ سمیت گرفتار کرلیا گیا اور اسے چار سال کی سزا ہوئی لیکن بعد ازاں منور کو باعزت ہی رہا کردیا گیا کیونکہ چوری کرنے والا شخص منور نہیں کوئی اور تھا اور منور اس وقت بینک میں ہی موجود تھا منور نے اس کا نام ظہیر بتایا تھا جو کہ واردات کے بعد سے فرار تھا پولیس نے اسے ڈھونڈنے کی کوشش کی مگر رقم مل جانے کی بدولت بینک نے اس کیس کی پیروی کرنا چھوڑ دی لہٰذا ظہیر کی گرفتاری کا عمل بھی التوا کا شکار ہوگیا انسپکٹر نے تفتیشی رپورٹ پڑھنے کے بعد افسر علی کی طرف دیکھا تو وہ بولا۔

انسپکٹر صاحب ظہیر کے ساتھ کوئی حادثہ ہوا ہے اور مجھے یقین ہے کہ اس معاملے کی اہم کڑی منور کی ذات ہے۔

آپ اتنا یقین سے کیسے کہہ سکتے ہیں انسپکٹر نے دریافت کرنا چاہا۔

انسپکٹر صاحب میں کوئی فرشتہ تو نہیں ہوں یا کوئی جن ہوں جو خود بخود یہاں تک پہنچ گیا ہوں بلکہ ظہیر خود چاہتا تھا کہ میں منور تک پہنچوں آپ کو میری ہیلپ کرنا ہوگی۔ انسپکٹر نے تحمل سے جواب دیتے ہوئے کہا۔

افسر علی ہم اس طرح منور کے خلاف ایکشن نہیں لے سکتے اور پھر اس واقعے کو پچیس سال بیت چکے ہیں لہٰذا سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ منور زندہ بھی ہے کہ نہیں اور دوسری اہم بات اگر آپ چاہتے ہیں کہ اس کیس میں پیش رفت ہو تو آپ کو منور کے خلاف ظہیر کی گمشدگی کی درخواست دائر کرنا ہوگی۔ ایسی صورت حال میں پولیس خود فعال ہوکر کام کرے گی اور کامیابی کی شرح سو فیصد ہوسکتی ہے افسر علی نے فوراً ہامی بھرلی۔

پولیس نے منور نامی شخص کو ڈھونڈ نکالا تھا جب افسر علی پولیس کے ہمراہ منور کے گھر پہنچا تو اس کا بیٹا انہیں ایک پرانے سے بوسیدہ کمرے میں لے گیا جب وہ اس کمرے میں داخل ہوئے تو ایک ضعیف آدمی جس کے سر اور داڑھی کے بال سفید ہوچکے تھے چارپائی پر لیٹا ہوا تھا پولیس کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر وہ جھریوں سے بھرے وجود کا بیٹا ہوا بمشکل اٹھ کر بیٹھ گیا اس کی آنکھوں میں خوف در آیا تھا اور اس کا چہرہ فرط حیرت سے سرخ ہوگیا تھا افسر علی نے کمرے کا طائرانہ جائزہ لیا کمرے کا فرش نمی کی بدولت کئی جگہوں سے بیٹھ گیا تھا دیواروں کا پلستر بھی اکھڑا ہوا تھا اور یوں لگتا تھا کہ جیسے اس کمرے میں برسوں سے سفیدی نہ کی گئی ہو اور چھت پر جالوں کی بہتات تھی انسپکٹر نے منور کو مخاطب کیا معاف کیجئے گا بزرگو مگر آپ کو ہمارے ساتھ چلنا ہوگا وہ آدمی کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔

مگر کس جرم میں۔ منور کا بیٹا حیرت سے افسر علی کی طرف دیکھ رہا تھا اس نے غصے سے کہا آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہ کتنے معمر شخص ہیں آپ کو

لگتا ہے کہ یہ اس عمر میں جرم کریں گے آپ کی عقل گھاس چرنے تو نہیں گئی ہوئی ہے۔ افسر علی نے جواب دیا جرم انہوں نے اب نہیں بلکہ پچیس سال پہلے کیا تھا جس کا خمیازہ انہیں اب بھگتنا پڑے گا۔

یہ آپ کیا اول فول کہہ رہے ہیں۔ لڑکا ابھی تک غصے میں تھا افسر علی نے منور کے جھکے ہوئے چہرے کی طرف دیکھ کر کہا۔

منور تم خود بتانا پسند کرو گے کہ تم نے ظہیر کے ساتھ کیا کیا تھا یا پھر اس عمر میں تم سے اپنے طریقے سے سچ اگلوائے۔ افسر علی نے ڈرانے کی ایک کامیاب کوشش کی تھی منور سسکنے لگا تھا اس نے بمشکل لب کھولے۔

ظہیر میرا پیارا دوست تھا وہ اتنے سالوں تک پرچھائی بن کر میرے سر پر مسلط رہا وہ مجھے ہر رات ڈراتا رہا مگر اس نے کبھی مجھے مارنے کی کوشش نہیں کی حالانکہ اس پرچھائی کی وجہ سے میں پاگل ہونے کی آخری اسٹیج پر پہنچ جاتا تبھی وہ پرچھائی چند دنوں کے لیے غائب ہو جاتی اس واقعے کے بعد مجھے کبھی چین میسر نہیں آیا ہر وقت ہر لمحہ جو جو ظلم میں نے ظہیر پر کیا تھا اس کا پچھتاوا کسی زہریلے سانپ کی طرح مجھے ڈستا رہا حالانکہ اگر ظہیر کی پرچھائی چاہتی تو مجھے مار سکتی تھی مگر اس نے ایسا نہیں کیا مجھے پتہ تھا کہ اس کی روح بھٹک رہی ہے وہ مجھے اپنی موجودگی کا احساس دلاتا رہا شاید ظہیر نے مجھے اس لیے نہیں مارا کیونکہ وہ چاہتا تھا کہ جو خون میرے ہاتھوں پر لگا ہے وہ میرے ہی اعتراف جرم سے دھلے اسی لیے اس نے اتنے سال انتظار کیا اور قدرت کو بھی میری روح ایسے قبض کرنا منظور نہیں تھا ورنہ میں اتنی لمبی زندگی کا حقدار نہیں تھا۔ ہاں یقیناً میں حقدار نہیں تھا لمبی زندگی کا انسپکٹر میں اپنے جرم کا اعتراف کرتا ہوں میں نے ہی ظہیر کا قتل کیا ہے دولت نے میری آنکھیں چندھیا دی تھیں میری آنکھوں پر لالچ کی سیاہ پٹی بندھ گئی تھی چوری کرنے والی رات ہی جب ظہیر سو رہا تھا میں نے اس کے سر میں چھرا گھونپ دیا اس نے تڑپ تڑپ کر جان دے دی اس کی آنکھوں میں ایک ہی سوال تھا کیوں آخر کیوں میں نے دوستی جیسے لازوال رشتے کو دغا دے دیا انسپکٹر صاحب مجھے تختہ دار پر لٹکا دیں کیونکہ اس سے کم سزا کا مطلب ظہیر کے ساتھ ناانصافی ہوگا۔ منور اپنی بات مکمل کرنے کے بعد بلک بلک کر رونے لگا تھا جبکہ انسپکٹر نے ستائشی نظروں سے افسر علی کی طرف دیکھا وہ خوش تھا کہ افسر علی نے ایک مجرم کو پچیس سال بعد کیفر کردار تک پہنچایا۔

افسر علی نے گھر سے باہر نکل کر ڈاکٹر کو کال کی دوسری جانب سے ڈاکٹر نے فون اٹھایا تو افسر علی نے پوچھا ڈاکٹر صاحب میری آپا کیسی ہے۔ ڈاکٹر نے خوشی سے جواب دیا۔ شی از آل رائٹ مسٹر افسر علی دو دن سے ان پر کوئی دورہ نہیں پڑا ہے اگر مزید دو دن اسی طرح گزر گئے تو آپ انہیں گھر لے جا سکتے ہیں مجھے لگتا ہے آپ نے حل ڈھونڈ لیا ہے۔ ڈاکٹر اور افسر علی مسکرانے لگے تھے افسر علی نے آسمان کی طرف دیکھا اسے اپنے سر کے اوپر ایک سیاہ بادل کا ٹکڑا دکھائی دیا جو اوپر آسمان کی جانب محو پرواز تھا ظہیر کو انصاف مل گیا تھا اسے آزادی مل گئی تھی۔

قارئین کرام کیسی لگی میری کہانی اپنی رائے سے مجھے ضرور نوازیے گا۔

ہوشیار

تحریر: فلک زاہد۔ لاہور

گھر کے باہر پہنچ کر میں نے اپنی اکھڑی سانسوں کو بحال کیا اور پھر اپنی پینٹ کی جیب سے چھری نکال کر گھر کی جانب بڑھ گیا۔ میں نے اس سے مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور مجھ میں ہمت پیدا ہو گئی تھی کہ میں اس کا مقابلہ کروں گا اپنے گھر سے بھاگوں گا نہیں۔ میں نے ایک جھٹکے سے اپنے گھر کا دروازہ کھولا اور پھر اندر داخل ہو گیا۔ گھر کا ایک ایک کونا میں نے چھان مارا لیکن مجھے وہ قاتل کہیں بھی دکھائی نہ دیا۔ میں ایک ایک چیز کو غور سے دیکھنے لگا کوئی بھی اپنی جگہ سے ہلی نہیں تھی سب کچھ ویسا ہی تھا جیسا میں رکھتا تھا۔ اگر وہ۔۔۔ وہ قاتل نہ تھا تو پھر کون تھا جو میں سوتے میں [illegible] کس کے پیچھے پہنچنا چاہتا تھا۔ مجھے ایک کمرے سے کالی بلی نکلتی ہوئی دکھائی دی میں [illegible] اس کی وجہ سے ہوا ہے میں اس کو دیکھنے کے بعد سیڑھیوں کی جانب بڑھا جہاں میں نے کسی کے بڑھتے ہوئے قدموں کی چاپیں سنی تھیں۔ اور پھر خود ہی اپنی حماقت پر مسکرا دیا [illegible] میں نے ایک نظر ڈالا تھا واقعی وہ کسی طرح سے بلی کے گزرنے سے پیدا ہو گیا تھا اور ان آوازوں کا احساس ہوتا تھا جیسے کوئی بھاری بھر کم جوتوں کے ساتھ چل رہا ہو۔ مجھے جہاں [illegible] کی آ رہی تھی وہاں بلی پر غصہ بھی آ رہا تھا۔ ایک مسکراہٹ بھی آ جاتی۔

رات کا پچھلا پہر تھا اور میں اپنے بیڈ روم سے [illegible] آرام کرنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ دن بھر کام کر کے میں تھک گیا تھا مگر نیند ہی نہیں آ رہی تھی [illegible] میں نے ٹی وی آن کیا اور چینل سرچ کرنے لگا جب ہی ایک چینل پر آ کر میں نے روک دیا۔ ایک پرائیویٹ نیوز چینل تھا جس پر بریکنگ نیوز چل رہی تھی اور شہر سے متعلق [illegible] نیوز بلیٹن بھی چل رہی تھی نیوز کاسٹر چیخ چیخ کر آواز میں خبر سنا رہی تھی ایک قاتل جیل سے فرار ہو چکا ہے اور آس پاس کے علاقوں میں کہیں چھپا بیٹھا ہے پولیس کی تمام شہریوں کو چوکنا رہنے کی ہدایت [illegible] سے [illegible] کی خبر آ رہی ہے اور [illegible] دکھائی دینے کے بعد میں نے [illegible] ٹی وی بند کر دیا اور ایک بار پھر سونے کی بھرپور کوشش کرنے لگا اس بار میری کوشش رائیگاں نہیں گئی اور میں نیند کی وادیوں میں گم ہو گیا۔ نیند کا سلسلہ ابھی جاری تھا کہ [illegible] کسی کی آہٹ پر میری آنکھ کھل گئی میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا میں اپنے اصل ہوش و حواس میں تھا میں نے صاف طور پر کوئی عجیب سی آواز گھر کے اندر سے آتی ہوئی سنی تھی۔



کیونکہ میں اسے اپنا وہم بھی گردان سکتا تھا مگر میری چھٹی حس مجھے خطرے سے آگاہ کررہی تھی یقیناً گھر میں کوئی تھا یہ آتے ہی خوف کی سرد لہر میرے پورے وجود میں سرایت کرگئی سرتاپا میرا پورا جسم پسینے میں نہا گیا میرا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا جب ہی میرے کانوں نے نیچے سے آتی ہوئی ایک اور آواز سنی یہ آواز دروازے کے بجنے کی تھی میرے کان کھڑے ہوگئے یہ سب میرا وہم نہیں تھا کوئی نہ کوئی گھر میں موجود تھا مجھے یہاں سے نکل جانا چاہیے میں نے سوچا اور فوراً بستر سے اٹھ کر بغیر کوئی آواز پیدا کیے احتیاط سے چلتا ہوا کھڑکی تک آیا میرا پورا وجود خوف سے لرز رہا تھا میری پوری کوشش تھی کہ انجانے سے بھی مجھ سے کسی قسم کی آواز پیدا نہ ہو اسی لمحے سیڑھیاں چڑھتی ہوئی بھاری بوٹوں کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا آواز سے ایک سے زائد لوگ معلوم ہوتے تھے جو اب کسی بھی لمحے دروازہ توڑ سکتے تھے میں ہراساں نگاہوں سے دروازے کو گھور رہا تھا مجھے یہاں سے ہر حال میں نکلنا تھا میں نے اپنی سوچ کو عملی جامہ پہنایا اور اگلے ہی لمحے بغیر کوئی آواز پیدا کیے آہستگی سے کھڑکی کھول کر باہر گیراج کی چھت پر کود گیا گیراج کی چھت پر کودنے سے زیادہ آواز پیدا نہ ہوئی جس پر میں نے شکر ادا کیا اور بغیر کوئی لمحہ ضائع کیے گیراج کی چھت پر تیزی سے مگر بغیر کوئی آواز پیدا کیے احتیاط سے چلنے لگا۔ چاند کی آخری تاریخیں تھیں جس سبب سے گھپ اندھیرا ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے تھا ٹھنڈی ہوائیں ہر طرف سرگرداں تھیں گلیاں سڑکیں ذی روح سے خالی اور سنسان تھیں میں اپنے تمام ہمت اور حوصلے کے ساتھ چلا جارہا تھا بالآخر چھت کے کنارے پر آکر میں نے پانی کے موٹے پائپ کو تھاما اور اس کی مدد سے نیچے کی جانب پھسلتا چلا گیا۔ کچھ ہی لمحوں میں میرے پیروں نے زمین کو چھوا میں اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ گارڈن میں ایستادہ تھا پھسلنے کے باعث مجھے ہلکی سی بھی خراش نہ آئی تھی لیکن ہاتھ ضرور سن ہوکر رہ گئے میں نے وہیں کھڑے اوپر کمرے کی کھڑکی کو دیکھا جہاں سے کچھ دیر قبل میں بھاگ کر آیا تھا وہاں اب روشنی جل رہی تھی گھر میں جو کوئی بھی تھا اب وہ کمرے میں موجود تھا میں جھرجھری لے کر رہ گیا یہ سب کس قدر عجلت میں ہوا تھا اگر میں ٹھیک وقت میں کمرے سے نہ بھاگا ہوتا تو نجانے وہ نامعلوم افراد میرا کیا حشر کرتے ایسا سوچتے ہی میری ریڑھ کی ہڈی میں خوف کی لہر دوڑ گئی بہرحال وہ لوگ اب بھی اندر موجود تھے اور مجھے یہاں سے نکلنا تھا میں نے تیزی سے چلتے ہوئے گارڈن کو عبور کیا اور مین گیٹ تک آکر اسے آہستگی سے کھول کر باہر آگیا چاروں سو اندھیرے ویرانے اور سناٹے کے سوا کچھ نہیں تھا میں نے ایک طائرانہ نگاہ چاروں سو ڈالی اور بغیر کوئی لمحہ ضائع کیے جتنا تیز بھاگ سکتا تھا بھاگنے لگا ہر طرف ہو کا عالم تھا تمام جن و انس سے دنیا خالی معلوم ہوتی تھی گھپ اندھیرا اور خاموشی ہر چیز پر مسلط تھی مگر میں ہر چیز سے بے نیاز بس بھاگتا جارہا تھا میرا سانس دھونکنی کی مانند چل رہا تھا خوف تھا کہ بری طرح مجھ پر اپنے پنجے گاڑے ہوئے تھا بھاگتے بھاگتے میں گھنے جنگل میں داخل ہوگیا یہاں بھی گھپ اندھیرا اپنے پر پھیلائے ہوئے تھا مگر میرا خوف ہی تھا جس کے باعث

میں جنگل میں چھائے گہرے اندھیرے کو روندتا چلا گیا اور جلد ہی جنگل سے باہر ایک بار پھر سڑک پر دوڑنے لگا یہ ایک طویل سڑک تھی جس کو عبور کر کے میں انڈر گراؤنڈ میں داخل ہو گیا پچھلے پندرہ منٹ سے مسلسل بھاگنے کے باعث میرے اعصاب جواب دینے لگے تھے مگر مجھ پر چھایا خوف مجھے رکنے نہیں دے رہا تھا سو میں بھاگتا رہا یہاں تک کہ انڈر گراؤنڈ عبور کر کے ایک بار پھر سڑک پر بھاگنے لگا اس سے آگے شاید میری ہمت جواب دے جاتی یہ جان کر مجھے بے حد خوشی کا احساس ہوا کہ میں رکے بھاگتے میں پہنچ چکا تھا بالآخر ایک گھر کے باہر پہنچ کر میں نے اپنی اکھڑی سانسوں کو بحال کیا اور پھر اپنی جیب سے چھری نکال کر گھر کی جانب بڑھ گیا میں نے اس سے مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور مجھ میں ہمت پیدا ہوئی تھی کہ میں اس کا مقابلہ کروں گا اپنے گھر سے بھاگوں گا نہیں۔ میں نے ایک جھٹکے سے اپنے گھر کا دروازہ کھولا اور پھر اندر داخل ہو گیا۔ گھر کا ایک ایک کونا میں نے چھان مارا لیکن مجھے وہ تو کیا کوئی بھی ذی روح دکھائی نہ دیا۔ میں ایک ایک چیز کو غور سے دیکھنے لگا کوئی بھی اپنی جگہ سے ہٹی نہ تھی سب کچھ ویسا ہی تھا جیسا میں رکھتا تھا۔ اگر وہ۔ وہ قاتل نہ تھا تو پھر کون تھا میں سوچوں میں گم ہوتا چلا گیا میں کسی نتیجے پر پہنچنا چاہتا تھا۔ مجھے ایک کمرے سے کالی بلی نکلتی ہوئی دکھائی دی میں سمجھ گیا کہ یہ سب کچھ اس کی وجہ سے ہوا ہے میں اس بلی کو دیکھنے کے بعد سیڑھیوں کی جانب بڑھا جہاں میں نے کسی کے بڑھتے ہوئے قدموں کی چاپیں سنی تھیں۔ اور پھر خود ہی اپنی حماقت پر مسکرانے لگا سیڑھیوں پر میں نے ایک گملا رکھا ہوا تھا وہ کسی طریقے سے بلی کے ٹکرانے سے نیچے گر گیا تھا اور اس کی آواز ایسی محسوس ہوئی تھی جیسے کوئی بھاری بھر بوٹوں کے ساتھ چل رہا ہو۔ مجھے جہاں اپنی حماقت پر ہنسی آ رہی تھی وہاں بلی پر غصہ بھی آ رہا تھا کہ اس کی وجہ سے میرے ساتھ کیا کچھ لمحوں میں بیت گئی ہو سکتا تھا کہ اس خوف سے میرا سانس ہی بند ہو جاتا۔ یا پھر میرا دل ہی دھڑکنا رک جاتا۔ یہ سب مجھ پر اس خبر کا اثر ہوا تھا جو میں نے ٹی وی پر سنی تھی۔ مجھے لگا تھا کہ وہ قاتل میرے گھر میں گھس آیا ہے جبکہ ایسا کچھ بھی نہ تھا۔

میں نے کچن میں جا کر فریج کو کھولا اور ایک ٹھنڈے پانی کا گلاس حلق سے نیچے اتارا دھڑکتے ہوئے دل کو سکون دیا اور پھر تمام خوف کو بھلانے کے بعد میں ہمیشہ کی طرح گہری نیند سوتا چلا گیا۔

قارئین کرام کیسی لگی میری کہانی اپنی رائے سے ضرور آگاہ کیجئے گا۔

[illegible]

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی شمشاد مارکیٹ میں واقع گلفیہ ہوٹل میں بیروں اور ملازموں کو ٹپ دے دے کر پروفیسر سید زاہد حسین نقوی صاحب کا ناک میں دم آ گیا تھا۔ ملازم نت نئے طریقوں سے ٹپ وصول کرتے تھے۔ ایک دن وہ دروازہ بند کر کے ان سے چھٹکارا پانے کی ترکیب سوچ رہے تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ کون ہے؟ پروفیسر سید زاہد حسین نقوی صاحب نے پوچھا۔ جناب! آئس کریم لایا ہوں۔ باہر سے بیرے کی آواز آئی۔ ٹھیک ہے دروازے کے نیچے سے اندر ڈال دو۔ پروفیسر سید زاہد حسین نقوی صاحب نے کہا۔ بیرے شبو نے جواب دیا۔ مگر جناب! آئس کریم تو ٹرے میں رکھا ہے۔

☆…… پروفیسر واجد نگینوی۔ کراچی

کوئی چاند رکھ میری شام پر

خولہ عاصم سرگودھا

کرنا کچھ نہیں ہے بس ہمیشہ مسکرا کر بات کرو، وہ اکیلا نظر آئے تو کوئی نہ کوئی بات کر کے اسے کمپنی دو اور بس۔ وہ پھر اسی انداز میں بولی۔

اچھا چلو آزمالیں گے۔۔۔۔اب کی بار ماروی مسکرا کر بولی۔

اچھا پھر میں چلوں۔۔۔۔ارے میرے خدا۔۔۔اف، ماروی نے اٹھتے ہی گھڑی دیکھ کر اپنا سر تھام لیا۔

کیا ہوا؟ انیتہ بھی کھڑی ہو چکی تھی۔

مجھے تو ڈیڑھ بجے ذوبار کو اسکول سے واپس لینے جانا تھا وہ تو تین بج گئے میرے خدا۔۔۔وہ تو آ چکی ہوگی۔۔۔ماروی گھبراتی ہوئی بولی۔

کوئی بات نہیں۔۔۔۔کہنا کہ گاڑی نہیں ملی تھی۔

نہیں نا۔۔۔۔وہ ڈرائیور تو رکھ کر بیٹھا تھا میں نے خود اسے واپس بھیج دیا تھا اوپر سے دیر بھی کر دی یا خدا طاؤس کو پتہ نہ چلے ورنہ وہ تو ڈانٹ بھی سکتا ہے۔ اس سے کوئی بعید نہیں، ماروی تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی پارک کے کنارے آ پہنچی۔ انیتہ بھی اس کے ساتھ تھی۔

دیر تو مجھے بھی بہت ہو جائے گی مگر چلو میں چھوڑ دوں۔ انیتہ کے پاس گاڑی تھی اس نے آفر کی۔

ارے نہیں اب تو جو دیر ہو گئی سو ہو گئی وہ تو آ چکی ہوگی۔۔۔تم جاؤ کہیں تمہاری ساس صاحبہ ناراض نہ ہو جائیں، ماروی مسکرا کر بولی۔

مگر تم کہو گی کیا؟ انیتہ فکرمندی سے بولی۔

کچھ بھی کہہ دوں گی۔ اگر وہ ڈانٹے گا تو میں اسے ڈانٹ دوں گی۔ ماروی ذرا سے



والے لہجے میں ہنستی ہوئی بولی۔ انیا بھی مسکرا کر گاڑی میں بیٹھ گئی اور اس کی گاڑی واپس مڑ گئی۔

ماروی نے سواری کی تلاش میں نگاہیں دوڑائیں سڑک سنسان تھی۔ بہادر خان کا ڈر دل میں جانے کہاں سے عود آیا کہ اتفاق تھا وہ ادھر نکل آتا تو۔۔۔۔ ماروی چاہتی تھی کہ جلد از جلد سواری مل جائے، سڑک پر لوگ بھی آ جا رہے تھے اور گاڑیاں وغیرہ بھی گزر رہی تھیں۔ البتہ ماروی کو کوئی سواری نہیں مل رہی تھی۔ ماروی نے ادھر نظر ڈالی جو سلطان کی مخصوص جگہ تھی مگر وہ موجود نہ تھا۔ ماروی جانتی تھی کہ وہ اس وقت بچوں کے کسی اسکول کے باہر آلو چنے بیچ رہا ہوگا۔ اسے سڑک پر کھڑے کئی منٹ گزر گئے تھے۔ ایک پل کو اس نے سوچا بھی کہ انیا کے ساتھ نہ جا کر اس نے غلطی کی ہے مگر پھر جو ہو چکا تھا اس پر پچھتانے سے کیا فائدہ تھا۔ ماروی نے ابھی سوچا ہی تھا کہ وہ اسٹاپ تک پیدل چلتی ہے آگے سے شاید کوئی سواری مل جائے۔ ایک بڑی سی گاڑی ماروی کے قریب سے زن کر کے گزری ماروی کی نظریں دوسری جانب تھیں چند لمحوں میں ہی وہ گاڑی واپس پلٹ آئی۔ گاڑی ماروی کے بالکل قریب آ کر رکی تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے شخص کو دیکھ کر ماروی کا حلق سوکھنے لگا وہ بوجھل قدموں سے چلتی ہوئی اس کے قریب آ گئی وہ طاؤس تھا اس نے گاڑی کا شیشہ نیچے کیا۔

آپ یہاں کیا کر رہی ہیں، وہ اپنے مخصوص لہجے میں بولا تھا۔

میں یہاں ہاسٹل آئی تھی ایک دوست سے ملنا تھا ماروی نے شرمندہ ہونے کے باوجود اپنے ہاسٹل کی طرف اشارہ کر کے اعتماد سے کہا۔

جبکہ میرے خیال میں یہ وقت زوہا کے اسکول سے واپس آنے کا ہے۔ وہ رعب دار لہجے میں کہہ رہا تھا۔

کوئی سواری نہیں مل رہی تھی میں کافی دیر سے انتظار میں کھڑی تھی، وہ بہانہ بنا کر بولی۔

آیئے۔۔۔۔ بیٹھیے۔۔۔۔ اس نے دوسری طرف کا دروازہ کھول دیا۔

ماروی اسی طرح کھڑی رہی۔

میرا خیال ہے کہ میں اردو زبان استعمال کر رہا ہوں اور یہ زبان آپ بھی جانتی ہیں۔۔۔۔اس کا لہجہ پہلے سے سخت تھا۔

ماروی جلدی سے دوسری طرف سے آ کر بیٹھ گئی اور دروازہ بند کر دیا۔ طاؤس خان نے گاڑی اسٹارٹ کر لی۔ ماروی کچھ گھبراہٹ محسوس کر رہی تھی مگر انیتا کی آخری باتیں یاد کر کے وہ دھیرے سے مسکرائی۔

آپ کا یہاں ہونے کا مطلب ہے کہ ذہا کو ڈرائیور ہی اسکول سے لایا ہوگا۔۔۔۔مس ماروی؟۔۔۔۔یہی نام ہے نا آپ کا؟۔۔۔۔اس نے بات کرتے کرتے سوال کیا۔

جی یہی نام ہے۔۔۔۔ماروی نے سادہ سے لہجے میں جواب دیا۔

ابھی آپ کو صرف دو دن ہوئے اور آپ نے ابھی سے غفلت برتنی شروع کر دی۔۔۔۔وہ گھڑی دیکھتا ہوا بول رہا تھا۔ حیرت ہے!۔۔۔۔آپ کو یاد ہے کہ مجھے آپ کے ٹی زیڈ ہاؤس میں آئے دو دن ہو گئے ہیں۔اب کی بار ماروی کا لہجہ بھی تھوڑا سخت تھا۔ مگر آواز دھیمی تھی۔ وہ طاؤس سے ہونے والی دو دن پہلے کی گفتگو بھولی نہیں تھی۔ مجھے اپنے گھر میں ہونے والے ہر عمل کے بارے میں اچھی طرح علم ہوتا ہے۔ وہ اپنے مخصوص لہجے میں بولا تھا۔ اس کا لہجہ شاید قدرت نے ہی ایسا بنایا تھا یہ بات ماروی نے اسی پل سوچی۔

لیکن میرا خیال تھا کہ آپ اس قدر مصروف انسان ہیں کہ آپ کو یہ بات بھی یاد نہیں رہی ہوگی کہ دو دن پہلے آپ نے ایک ادنیٰ نوکر کو اپائنٹ کیا ہے۔۔۔ماروی نہ جانے کہاں سے الفاظ نکال لائی۔ وہ تقریباً اسی لہجے میں بات کر رہی تھی جس میں طاؤس کر رہا تھا۔

مس ماروی شاید آپ!۔۔۔۔طاؤس ناگواری سے بولا تو ماروی نے اس کی بات کاٹ دی۔

شاید میں اپنی اوقات بھول رہی ہوں نا طاؤس صاحب۔۔۔۔مگر آپ یہ بات یاد رکھئے گا کہ میں اپنی اوقات کبھی نہیں بھولتی۔ چاہے حالات کیسے بھی ہوں۔ جہاں تک

اس وقت ذوباریہ کا تعلق ہے تو واقعی میری غلطی ہے۔ جس کے لیے میں معذرت چاہتی ہوں۔ آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔ مگر آپ سے اس دن بات کرنے کے بعد، میں آپ سے کچھ کہنا چاہتی تھی وہ یہ کہ میں آپ کی نوکر ضرور ہوں، اگر پیسے لوں گی تو کام بھی ضرور کروں گی۔ میری غلطی ہوگی تو آپ کا سخت ترین لہجہ بھی سن لوں گی مگر اگر میری غلطی نہیں ہوگی تو میں آپ کا یہ تلخ لہجہ برداشت نہیں کروں گی۔ مانا نوکری میری مجبوری ہے مگر میں کسی کے تلخ اور ذلت آمیز رویے کو برداشت کرنے اس گھر میں نہیں آئی۔ ویسے بھی ٹیچر کا ایک رتبہ ہوتا ہے جو قابل احترام ہوتا ہے، ماروی یہ سب کہہ تو گئی جس کے نتیجے میں طاؤس نثار نے راستے سخت چہرہ لیے خاموش رہا مگر اس وقت اسے خود پر حیرت ہوتی رہی کہ وہ یہ سب کہہ کیسے گئی۔ کل تک جس سے نظریں ملانے کی ہمت بھی اس میں نہ تھی آج وہ اسے اپنے آگے خاموش کروانے میں کامیاب ہوگئی اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ محبت انسان کو بہادر بناتی ہے۔

پورچ میں گاڑی رکتے ہی ماروی فوراً اتر گئی اور طاؤس کی طرف نظر ڈالے بغیر ذوباریہ کے کمرے کی راہ لی۔

تم آگئیں ذوبا۔۔۔۔ ماروی کمرے میں داخل ہوتے ہی بول اٹھی۔

جی۔۔۔ مگر میں آپ سے ناراض ہوں۔۔۔۔ وہ ابھی تک اپنے اسکول یونیفارم میں تھی۔ آیا اس کے کپڑے لیے کھڑی تھی۔

کیوں ناراض ہو بھئی تم؟۔۔۔۔ ماروی نے مسکرا کر پوچھا۔

آپ کو مجھے لینے آنا تھا۔۔۔۔ میں اپنی دوستوں کو آپ سے ملوانے لائی تھی مگر آپ آئی ہی نہیں۔ وہ ناراض لہجے میں بول رہی تھی۔ اس کا روٹھا سا انداز ماروی کو بے تحاشا پیارا لگا۔

اوہ ہو بھئی۔۔۔۔ سوری مائی ڈیئر۔۔۔۔ ماروی اس کے قریب بیٹھ کر اسے باہوں میں بھر کر بولی۔

ذوباریہ خاموش رہی۔

اچھا بابا سوری کہا نا۔۔۔۔ آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔۔۔۔ کبھی بھی نہیں ہوگا، وہ

اسے چمکار کر بولی۔
بے بی آپ کپڑے بدل لیں کھانے کا وقت ہو گیا ہے آیا حلاوت سے بولی۔
بیناتم یہ کپڑے مجھے دو میں پہنا دیتی ہوں۔تم جا کر دیکھو جیسے ہی کھانا لگ جائے
بتا دینا میں اسے بھیج دوں گی۔ ماروی نے آیا سے کہا تو وہ سر جھکا کر باہر نکل گئی۔
ذوباریہ کی ناراضگی ختم کرنا زیادہ مشکل بات نہیں تھی۔ وہ تھوڑی دیر میں ہی کھلکھلا
کر ہنس پڑی تھی۔ ویسے بھی ماروی کو ذوباریہ کی شکل میں ایک اجالا مل گئی تھی۔ ماروی نے
اس کے کپڑے تبدیل کروائے، ابھی وہ اس کے بالوں میں برش کر رہی تھی کہ آیا نے
اطلاع دی۔
بی بی۔۔۔۔صاحب بھی آ گئے ہیں آج وہ کھانا نہیں کھائیں گے۔۔۔۔بے
بی کو بھیج دیں۔ بینا آتے ہی بولی۔
لے جاؤ بینا۔۔۔۔ماروی مسکرا کر اسے دیکھتے ہوئے بولی۔
نہیں، ذوباریہ اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔
کیوں!۔۔۔۔کیا بھوک نہیں ہے؟۔۔۔۔کیا کھایا تھا اسکول میں؟ ماروی نے
دلار سے پوچھا۔
اپنا لنچ کھایا تھا۔۔۔۔اور بھوک بھی لگ رہی تھی وہ تیزی سے بولی۔
تو جاؤ نا چندا!۔۔۔۔ماروی نے پیار سے کہا۔ نہیں میں آیا کے ساتھ نہیں،
آپ کے ساتھ جاؤں گی۔۔۔۔وہ اٹل لہجے میں بولی۔
اوہو۔۔۔چلو میں چھوڑ آتی ہوں۔۔۔ ماروی اٹھتی ہوئی بولی تو ذوباریہ خوش
ہو گئی۔
تم جاؤ بینا۔
ماروی اسے لے کر برآمدے طے کرتی ہوئی ڈرائنگ روم میں داخل ہو گئی۔ کمرہ
ماروی نے سرسری طور پر دیکھا تھا۔ سفید روشنیوں سے مزین بڑا سا ڈائننگ ہال کسی طرح
سے اس گھر کی شان و شوکت سے کم نہ تھا۔ طاؤس بڑی سی ڈائننگ ٹیبل کے آگے بیٹھا
تھا۔ ماروی کو دیکھ کر ایک پل کو چونکا پھر ذوباریہ پر نظر ڈالی۔

ہیلو آ کا، ذوہا مشینی انداز میں بولی۔

ہیلو بیٹا۔۔۔۔جلدی آ جایا کرو نا۔۔۔۔بڑی سخت بھوک لگی ہے اور آپ نے اتنی دیر لگا دی۔۔۔۔وہ میٹھے لہجے میں ذوہاریہ سے بات کر رہا تھا۔ وہ میٹھا لہجہ جس کو سننے کی خواہش ماروی کے پاگل اور ضدی دل کو بھی تھی۔ ماروی کو محسوس ہوا جیسے جلترنگ سے بج اٹھے ہوں۔ طاؤس کا ایسا لہجہ اس نے پہلی بار سنا تھا۔ وہ تو عرصے سے جاننا چاہتی تھی کہ وہ کسی سے ہنس کر کیسے بولتا ہوگا ایسا لگا کہ کشمیر کی وادی میں عرصے بعد چھم چھم مینہ برسا ہو موتیوں کی طرح برستا پانی ایک نئی اور مدھر آواز پیدا کر رہا تھا۔ ایسی پیاری رت زندگی میں پہلی بار آئی تھی۔ وہ نظریں جھکائے سوچ رہی تھی طاؤس کے مٹھاس بھرے لہجے میں جانے کیا تھا کہ ماروی اس جلترنگ میں کھو سی گئی، وہ چونکی تو ذوہاریہ اس کا ہاتھ کھینچ رہی تھی۔ آپ بھی ہمارے ساتھ کھانا کھائیں میڈم۔۔۔۔ذوہاریہ اسے کہہ رہی تھی۔

میں! نہیں نہیں ذوہا۔۔۔۔میں اپنے کمرے میں کھاؤں گی۔۔۔۔ ماروی چونک کر پریشانی سے بولی اس نے چور نگاہوں سے طاؤس کی طرف دیکھا، جس کے چہرے پر سختی کے آثار پھر سے نمایاں تھے اور وہ ذوہا کو ہی دیکھ رہا تھا۔ نہیں وہاں کیوں؟ یہاں کیوں نہیں؟۔۔۔۔آپ بس ہمارے ساتھ کھانا کھائیں۔۔۔۔ذوہاریہ اپنی بات پر قائم تھی۔

ذوہا ضد نہیں کرتے۔۔۔۔ ویسے بھی ابھی مجھے بھوک نہیں ہے آپ کھانا کھاؤ میں باہر ہی بیٹھی ہوں۔۔۔۔شاباش۔۔۔۔ماروی اسے ٹیبل کی طرف لے جاتی ہوئی بولی۔

مگر ذوہاریہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔

آپ کیوں نہیں کہتے آ کا؟۔۔۔۔آپ کہیں گے تو یہ بیٹھ جائیں گی۔۔۔۔ ذوہا طاؤس کو دیکھتی ہوئی بولی۔

طاؤس کے لبوں پر خاموشی تھی۔ ہاشمی صاحب صورت حال کو سمجھ کر ذوہاریہ سے بولے۔ بیٹا آپ کھانا کھاؤ آپ کی میڈم کو جب بھوک ہوگی وہ بھی کھا لیں گی۔

نہیں میں بھی نہیں کھاؤں گی۔۔۔۔ذوہا ضدی لہجے میں بول رہی تھی اس کی نظریں طاؤس کے چہرے پر تھیں۔

ذوہا۔۔۔ بیٹھ جاؤ۔۔۔ طاؤس عجیب سے لہجے میں ذوہاریہ سے مخاطب ہوا۔
مس ماروی آپ بھی بیٹھ جائیں۔۔۔ طاؤس نے دوسرا حکم صادر کیا۔
ماروی مشینی انداز میں چلتی ہوئی آگے بڑھی ذوہاریہ کو بٹھایا اور حلاوت سے جھک کر بولی۔
ذوہا دیکھو اگر تم چاہتی ہو کہ میں کھانا کھاؤں اور ٹھیک طریقے سے کھاؤں تو پلیز تم آرام سے بیٹھی رہو۔
مگر میڈم۔۔۔ ذوہا تیزی سے بولی۔
میرے لیے ذوہا۔۔۔ پلیز۔۔۔ میں کہوں گی تو تم نہیں مانو گی۔۔۔ ایسا کبھی ہوا ہے؟
ماروی نرم لہجے میں بولی۔
اوکے۔۔۔ آپ باہر ہی بیٹھیں گی نا۔۔۔ ذوہاریہ چند ثانیے بعد بولی۔
ہنہ۔۔۔ بالکل باہر بیٹھوں گی۔۔۔ ماروی نے دھیرے سے مسکرا کر کہا اور اچٹتی سی نگاہ طاؤس پر ڈالی۔ اب کی بار اس کے چہرے پر حیرت کے آثار بھی نمایاں تھے۔ ماروی نے ذوہاریہ کا نیپکن لگایا اور اس کے ماتھے پر پیار کر کے آہستہ آہستہ چلتی ہوئی کمرے سے باہر آ گئی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اس بات سے طاؤس کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا ہوگا کہ محض چند دنوں میں ماروی ذوہاریہ پر اس قدر چھا گئی کہ وہ اس کی ہر بات ماننے لگی تھی۔ ماروی بہت دیر تک برآمدے میں ٹہلتی رہی۔ اس عرصے میں وہ صرف طاؤس کے متعلق سوچ رہی تھی۔ صبح کی نسبت اب ماروی کا ذہن اس کے بارے میں بہت مختلف انداز میں سوچ رہا تھا۔ یہ سچ تھا کہ افسردہ ہونے یا ماتم کرنے سے تقدیریں نہیں بدلا کرتیں، پھر خود کو تکلیف دینے سے کیا فائدہ تھا۔ اب ماروی کے ذہن میں طاؤس کی حیثیت ایک بچے کی طرح تھی جسے وہ طرح طرح سے حیران کرنا چاہتی تھی اور آج اسے طاؤس کو حیران کر کے بڑا لطف آیا تھا۔ پہلی بار گاڑی میں اور دوسری بار ڈائننگ ہال میں وہ خود سے کہہ رہی تھی۔ میں محبت کی کس منزل پر ہوں۔۔۔ کیا چاہنے کی آخری منزل پر جہاں اس بات کی فکر نہیں ہوتی کہ ہماری چاہت کا جواب چاہت سے ملے گا یا

نہیں۔ جہاں صرف اس بات کی اہمیت ہوتی ہے کہ ہم دوسرے کی نظر سے اوجھل نہیں۔
اس کے سامنے ہیں۔ اس کی آنکھوں میں ہیں۔ ایسی منزل پر یہی بہت کافی ہوتا ہے اور پھر
جیسے میرے حالات ہیں۔ میرے لیے تو یہ بہت زیادہ کافی ہے۔ کیونکہ میں یہ جانتی ہوں
کہ طاؤس کی منزل دعا ہے۔ طاؤس کا راستہ الگ ہے مگر میں اگر اس راستے پر چلنا چاہتی
ہوں تو چاہے منزل پاؤں یا نہیں کیا فرق پڑتا ہے۔ میرے دل کی تسلی کے لیے یہ سفر بہت
کافی ہوگا۔ جو میں نے اپنی مرضی سے طے کیا اور پھر ہر مسافر کو تو اپنی منزل نہیں ملتی بہت
سے ناکام و نامراد بھی رہ جاتے ہیں۔ میں بھی انہی میں شامل ہو جاؤں گی۔ عمر تو بیت ہی
جائے گی۔ وہ مسکرا رہی تھی صرف یہ سوچ کر کہ اس نے اتنا لمبا سفر بہت ہی جلدی طے کر
لیا۔ حیرت انگیز تو اس کی زندگی ہمیشہ سے تھی۔ آج بھی حیرت کی منزلیں طے کر رہی تھی۔
اور پھر اگلے ہی دن طاؤس اپنے دوست موسیٰ جعفری کے پاس امریکہ چلا گیا۔ جانے
سے ایک گھنٹہ قبل اس نے ماروی کو اپنے ڈرائنگ روم میں طلب کیا تھا۔

ماروی کالے رنگ کے سادے سوٹ میں اپنے گیلے بال دھوپ میں سکھانے
بیٹھی تھی بڑا سا دوپٹہ گلے میں تھا، وہ تھوڑی دیر پہلے ہی نہا کر نکلی تھی۔ ذوباریہ اسکول میں
تھی کہ ہاشمی صاحب نے آ کر اسے بتایا۔

ماروی بیٹی۔۔۔۔ جی انکل۔۔۔۔ ماروی اٹھتی ہوئی بولی۔

بیٹی طاؤس موسیٰ کے پاس امریکہ جا رہا ہے۔۔۔ شاید کوئی بہت ضروری کام ہے
۔۔۔۔ وہ کھڑے کھڑے بولے۔

اچھا انکل کب جا رہے ہیں؟۔۔۔۔ ماروی نے سادگی سے سوال کیا۔ ابھی ایک
گھنٹہ بعد کی فلائٹ ہے۔۔۔۔ وہ گھڑی دیکھ کر بولے۔

ابھی!۔۔۔ مگر ذوباریہ آئے گی تو۔۔۔۔ وہ ضرور پوچھے گی کہ بتائے بغیر۔۔۔

ہاں اسی لیے طاؤس نے تمہیں بلایا ہے۔۔۔۔ ہاشمی صاحب اس کی بات کاٹ
کر بولے۔ مجھے؟۔۔۔۔۔ ماروی جھجک کر بولی۔

ہاں تمہیں۔۔۔۔ وہ اپنے ڈرائنگ روم میں ہے۔۔۔۔ وہ بتا کر واپس مڑ گئے۔
جی بہتر ماروی آہستہ سے بولی اور کھڑی ہو گئی کپڑوں کی شکنیں درست کیں اور

اس کے کمرے کی طرف چل پڑی۔ اس کے لمبے سیاہ بال اس کی پشت پر کھلے پڑے تھے۔ سیاہ سوٹ میں اس کا چہرہ حد درجہ چمک رہا تھا۔ اس نے دروازے پر دستک دی۔

آ یئے۔۔۔۔طاؤس کی مخصوص آواز سنائی دی۔

ماروی کمرے میں داخل ہوگئی آج وہ دوسری بار اس کمرے میں آئی تھی بالکل سامنے ہی وہ تصویر مسکرا رہی تھی جسے دیکھ کر اس کے دل کی دنیا اتھل پتھل ہوگئی تھی۔ ساتھ ہی ظہماس کی تصویر بھی مسکرا رہی تھی۔ ماروی نے اگلی نظر طاؤس پر ڈالی جو صوفے پر بیٹھا کسی فائل کا مطالعہ کر رہا تھا۔ بلیک سوٹ میں وہ شاید پرواز کے لیے تیار تھا۔

بیٹھیے۔۔۔طاؤس نے نظریں اٹھا کر کہا اس کی نظریں ماروی کے چہرے پر تھیں۔ وہ شاید پہلی بار اسے اس قدر انہماک سے دیکھ رہا تھا۔

ماروی دل ہی دل میں مسکرا اٹھی۔ آج پھر اس نے طاؤس کو حیران دیکھا تھا۔ پہلی بار وہ اس کی توجہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوئی تھی۔ مگر اگلے ہی پل وہ اپنی سوچ پر شرمندہ ہوگئی۔

ایسا نہیں ہونا چاہیے۔۔۔۔اس کے دل کے کسی گوشے سے آواز آئی۔ اس نے ایک جست میں اپنا بڑا دوپٹا اپنے بالوں پر پھیلا لیا۔

آپ نے مجھے بلایا۔۔۔۔وہ اعتماد سے بیٹھتی ہوئی بولی۔

جی۔۔۔ہاں۔۔۔طاؤس کی شاید واپس آ چکا تھا اس کا لہجہ ہمیشہ جیسا تھا۔

ہاشمی صاحب نے بتا دیا ہوگا کہ میں امریکہ جا رہا ہوں۔۔۔وہ فائل ٹیبل پر رکھتا ہوا بولا۔ جی۔۔۔میں چکی ہوں۔۔۔ماروی مودبانہ لہجے میں بولی۔

ابھی زوبا واپس نہیں آئی۔۔۔میرا خیال ہے آپ اسے مطمئن کر لیں گی کیونکہ وہ چند ہی دنوں میں آپ پر ٹرسٹ کرنے لگی ہے۔۔۔طاؤس بولتے بولتے رک گیا۔

میں سمجھ گئی ہوں آپ بے فکر ہو کر جائیے۔

اور ہاں ماروی۔۔۔سوری۔۔۔مس ماروی۔۔۔طاؤس ایک دم گڑبڑا کر بولا۔

کوئی بات نہیں۔۔۔ویسے بھی میری حیثیت اور آپ کی حیثیت میں جو فرق ہے اس لحاظ سے آپ کو مجھے مس کہہ کر نہیں پکارنا چاہیے۔۔۔نوکروں کے لیے عزت

کے الفاظ استعمال نہیں ہوتے۔۔۔۔ ماروی سادگی سے بولی۔اس کا پراعتماد لہجہ اس کی سب سے بڑی کامیابی تھی۔

میں جانتا ہوں مس ماروی۔۔۔۔مگر اس دن آپ نے ہی تو کہا تھا کہ ٹیچر کا ایک مقام ہوتا ہے اور قابل احترام ہوتا ہے۔۔۔۔اس لمحے طاؤس کا لہجہ بہت سادہ تھا وہ شاید پل پل میں موڈ بدلنے کا ماہر تھا۔

جی۔۔۔۔آپ کو میری بات یاد ہے۔۔۔۔ماروی حیرت سے مسکرا کر بولی۔

آپ مسکراتی ہوئی اچھی لگتی ہیں۔۔۔مسکرانے میں اتنی کنجوسی کیوں کرتی ہیں۔۔۔طاؤس کے چہرے پر بھی بہت ہلکی سی مسکراہٹ تیر گئی تھی۔

ماروی پر حیرت کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔سورج شاید آج مغرب سے نکلا تھا۔وہ ماروی سے بات کرتے وقت مسکرایا تھا۔یہ بات اچنبھے کے ساتھ ساتھ ماروی کو پریشان کر گئی۔ماروی کی نظریں نہ جانے کیوں جھک سی گئیں۔میں۔۔۔۔جی میں تو۔۔۔۔

مس ماروی میں نے آپ کو اس لیے بلایا تھا کہ میں ایک ہفتے بعد واپس آ جاؤں گا۔۔۔اور آپ کو ذوباریہ کا ہر طرح سے خیال رکھنا ہے۔ایسا پہلی بار ہے کہ میں اسے اپنے کسی Travel پر تنہا چھوڑ کر جا رہا ہوں۔اور ایسا صرف آپ کی وجہ سے ہے۔۔۔۔اب کی بار وہ سادہ سے لہجے میں بول رہا تھا۔

جی۔۔۔۔ماروی بات سمجھتے ہوئے تابعداری سے بول اٹھی۔

وہ آپ سے بہت اٹیچڈ ہو گئی ہے۔۔۔بات مانتی ہے آپ کی۔۔۔۔میں آپ پر بھروسہ کر رہا ہوں۔امید ہے آپ میرے بھروسے کو مزید قائم کرنے کی کوشش کریں گی۔۔۔۔اور ایک خاص بات ذوباریہ کو ہر طرح سے خیال رکھیے گا۔۔۔اس کی ہر خواہش پوری کرنا آپ کی ذمہ داری ہے۔۔۔اسے میری کمی محسوس نہ ہو۔۔۔۔وہ ایک دم موڈ بدل کر تحکمانہ لہجے میں بولا۔

جی۔۔۔۔ماروی پھر مختصراً بولی۔اب آپ جا سکتی ہیں۔۔۔۔جانے کیوں اس کے لہجے کی تلخی واپس آ چکی تھی۔ماروی خاموشی سے اٹھی اور باہر کی جانب آنے لگی۔آج اس نے دوسری بار اس کمرے میں رچی خوشبو کو گہرے سانس لے کر اپنے اندر اتارا۔

آپ کو مسکراتے رہنے کا مشورہ میں نے غلط نہیں دیا تھا۔ بلکہ اس لیے دیا تھا کہ ہر صحیح مشورہ دینا میں اپنا پیدائشی حق سمجھتا ہوں۔۔۔۔ وہ اپنے مخصوص لہجے میں بولا اور اپنے بیڈ روم کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔

بہت احسان ہے آپ کا ہم غریبوں پر، کہ آپ صرف اپنے مشوروں سے ہی نوازتے ہیں۔۔۔ ماروی اس کے تحکمانہ انداز پر جل کر بڑبڑاتی ہوئی کمرے سے باہر نکل آئی۔

طاؤس چلا گیا اور ماروی نے ذوباریہ کو مطمئن بھی کر لیا۔ بہت کم دنوں میں وہ ماروی پر اس قدر گھل مل گئی کہ ماروی کی ہر بات ماننے لگی تھی۔ ذوباریہ کی اسکول سے چھٹی تھی تو وہ ضد کر کے شاپنگ کے لیے نکل کھڑی ہوئی۔ ویسے بھی وہ ذوباریہ کی ہر بات مان رہی تھی۔ طاؤس کا بھی یہی حکم تھا۔ سو وہ بہت سے زیادہ ڈیوٹی نبھا رہی تھی۔

شاپنگ کے دوران اس نے اپنی چیزیں بھی خریدیں اور ذوباریہ کی ہر چھوٹی بڑی خواہش کو پورا کرتی ہوئی وہ مارکیٹ سے باہر آ گئی۔ باہر نکلتے وقت ماروی کی نظر ایک بہت انمول چیز پر پڑ گئی۔ وہ مردانہ کپڑوں کی دکان تھی۔ اور شیشوں میں جھلکتا ہوا وہ نیلا کرتا جس پر بہت نفیس کڑھائی بنی تھی الگ ہی جھلمل کر رہا تھا۔ ماروی کا پہلا دھیان طاؤس کی طرف گیا اگر وہ اسے پہنے تو شاید ماروی دوبارہ کسی کو نیلا رنگ پہنے نہ دیکھ سکے۔ وہ دھیرے سے مسکرائی، ذوباریہ کو آئس کریم دے کر گاڑی میں چھوڑا اور ڈرائیور کو چند منٹ میں آنے کا کہہ کر دکان میں داخل ہو گئی۔

اس کرتے کا رنگ بالکل اس نیلے آسمان سے ملتا تھا جو ماروی کے کشمیر پر تنا رہنے والا کھڑا تھا۔ بہت اجلا بہت کھلا کھلا اور بہت خوب صورت، بالکل ویسا جیسا ماروی کو پسند تھا۔ اس نے رقم ادا کرتے ہوئے دکان دار سے پوچھا۔ آپ اسے پیک کر کے ایک ایڈریس پر بھیج سکتے ہیں۔

جی بالکل۔۔۔۔۔آپ پتہ دے دیجئے۔۔۔۔۔دوکاندار تابعداری سے بولا۔

ماروی نے ایک کاغذ پر ٹی زیڈ ہاؤس کا ایڈریس لکھا اور اس کے آگے کر دیا۔اس شخص نے ماروی کے سامنے ہی اس ڈبے کو سفید کاغذ میں پیک کیا اور ماروی سے پوچھا میڈم آپ کا نام؟

آپ کارڈ مجھے دے دیجئے۔۔۔۔ماروی نے اس کے ہاتھ میں چھوٹا سا کارڈ دیکھ کر کہا۔

دوکاندار نے کارڈ اور قلم ماروی کی طرف بڑھا دیا۔ماروی نے سب سے پہلے طاؤس کا نام لکھا پھر نیچے اپنے نام کی جگہ پر سوالیہ نشان ڈال کر اس نے وہ کارڈ دوکاندار کی طرف بڑھا دیا۔دوکاندار نے قریب موجود ایک لڑکے کو اسی وقت وہ پیکٹ پوسٹ کرنے کے لیے روانہ کر دیا اور ماروی اطمینان سے نکل کر گاڑی میں آ بیٹھی۔

اگلے دن کی ڈاک میں اس نے وہ پیکٹ دیکھا اور دل ہی دل میں مسکرائی۔جب تک طاؤس واپس آئے گا اس کی ڈاک اس کا انتظار کرے گی۔

ماروی خود سے کہہ رہی تھی ویسے بھی طاؤس مجھے وہ کرنے دو جو میرا دل چاہتا ہے۔۔۔میں پہاڑوں کی بیٹی ہوں۔مجھے انجام کی پرواہ نہیں ہے میں جانتی ہوں انجام میرے خلاف ہے مگر میں جو کرنا چاہتی ہوں وہ کر کے خوش ہونا تو میرا بھی پیدائشی حق ہے۔

وہ مسکرا کر پلٹ آئی۔ذوبار یہ اسکول جا چکی تھی اور ماروی فارغ تھی۔تنہائی میں یادوں کے دریچے کھل گئے۔ایک نئی زندگی میں وہ بہت سے لوگوں کو بھولتی جا رہی تھی۔اس دن کے بعد انیتا کا بھی فون نہیں آیا تھا اور شمائل کا بھی کوئی پتہ نہیں تھا۔ایسے میں صدف اس کے خیالات میں در آئی۔وہ اپنے سامان میں سے صدف کا ایڈریس تلاش کرنے لگی اور پھر بہت دیر بعد اسے وہ ڈائری مل گئی جس میں صرف صدف کا ایڈریس لکھا تھا۔وہ ڈائری اسی نیلی فراک کے ساتھ احتیاط سے رکھی تھی جو زینب کی آخری یادگار تھی۔جسے ماروی نے بہت احتیاط سے سنبھال کر رکھا تھا جیسے کہ وہ کوئی استعمال کی چیز نہ ہو،بلکہ زینب کی ساری کی ساری دعائیں ہوں۔پورا کا پورا کشمیر ہو،اجالا ہو،روشنی یا کرن ہو یا پھر ادا اور محمد اور سفیر کا شفقت بھرا ہاتھ ہو۔

اس نے ایڈریس ہاشمی صاحب کو دیتے ہوئے کہا، انکل مجھے اس ایڈریس کا فون نمبر مل سکتا ہے۔
دس منٹ صبر کر سکتی ہو؟ ہاشمی صاحب نے ایڈریس پڑھے بغیر مسکرا کر پوچھا۔
بیس منٹ بھی کر سکتی ہوں۔۔۔۔وہ بھی جواباً مسکرا کر بولی۔
اوکے۔۔۔۔وہ اندر کی طرف مڑ گئے اور ماروی اطمینان سے اپنے کمرے میں آگئی۔ پھر واقعی دس منٹ بعد وہ نمبر لے کر آ گئے۔
بہت بہت شکریہ انکل۔۔۔۔ماروی مسرت سے بول اٹھی اس کی آنکھوں میں دیے جل اٹھے تھے۔ ہاشمی صاحب بھی اسے خوش دیکھ کر مسکرائے اور آہستہ سے بولے۔
ماروی شکریہ غیروں کا ادا کیا جاتا ہے اور تم بیٹی ہو غیر نہیں ہو۔۔۔۔
جی انکل۔۔۔ماروی پھر مسکرا کر بولی۔
وہ بھی مسکرا کر کسی کام سے پلٹ گئے اور ماروی بھی اپنے بیڈ پر بیٹھ کر فون ملانے لگی۔ فرطِ مسرت سے اس کی انگلیاں کانپ رہی تھیں۔
ٹرن ٹرن گھنٹی بج رہی تھی۔
ہیلو۔۔۔دوسری طرف سے فون اٹھایا گیا۔ ہیلو۔۔۔ماروی جواباً بولی۔
کس سے بات کرنی ہے؟۔۔۔۔دوسری طرف سے کہا گیا۔
صدف سے بات ہو سکتی ہے؟
ماروی آہستہ سے بولی۔ آواز میں نسوانیت تو اسے محسوس ہوئی تھی مگر وہ احتیاطاً بولی تھی۔ میں صدف بول رہی ہوں آپ کون؟۔۔۔اس کے لہجے میں سوال تھا۔
مجھے آپ کہو گی؟ ماروی آہستہ سے بولی۔ کون!۔۔۔۔کون ہو۔۔۔جلدی بولو!۔۔۔صدف کی آواز میں تیزی آ گئی شاید شناسائی کا شائبہ ہوا تھا۔
میں ہوں بدھو۔۔۔مجھے نہیں پہچان رہیں۔۔۔۔ماروی پھر بولی۔
ماروی۔۔۔دوسری طرف سے چند ثانیے بعد بے قراری سے آواز آئی۔
ہاں۔۔۔اوہ ماروی کہاں ہو تم؟۔۔۔بتاؤ مجھے؟۔۔۔فوراً۔۔۔صدف تقریباً چلا کر بولی۔ میں یہیں ہوں اسی شہر میں۔۔۔۔ماروی نے مسکرا کر جواب دیا۔

پتہ بتاؤ اپنا ابھی اور اسی وقت؟۔۔۔۔۔وہ پھر تیزی سے بولی۔

اچھا ویمن ہاسٹل آجاؤ۔۔۔۔۔ماروی نے اسے ہاسٹل کا پتہ بتایا جانے کیوں اس نے صدف کو یہاں بلانا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

تم ہاسٹل میں رہ رہی ہو!۔۔۔۔۔میں ابھی پہنچ رہی ہوں۔۔۔۔۔اس نے خود ہی سوال کیا اور جواب کا انتظار کیے بغیر کھٹاک سے فون بند کردیا۔

ماروی بھی فون رکھ کر تیزی سے اٹھی، ڈرائیور تیار کھڑا تھا۔ وہ فوراً ہاسٹل کی طرف نکل آئی۔ صدف کے لیے اس کے پاس کوئی بہت اچھی خبریں تو نہیں تھیں مگر اس کا ملنا ماروی کے لیے کسی بھی اچھی خبر سے کم نہ تھا۔ زندگی نے جو رخ ماروی کے ساتھ بدلے تھے ان کے بعد تو اسے اس بات کا بھی یقین نہیں تھا کہ اس کی کبھی خود سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔ مگر لیزا ہاؤس میں رہتے ہوئے وہی ہنسنا دوبارہ سیکھ لیا تھا۔ جو وہ بہت پہلے زینب کے آنچل میں چھپا آئی تھی۔ راستے میں اسے شمائل کی بات یاد آگئی۔ اگر زندگی کے تماشے پر ہنسنے کی ہمت آجائے تو یہ خود کی کتنی بڑی جیت ہوتی ہے۔۔۔۔شمائل نے کہا تھا کہ یہ عمل زندہ رہنے کو چیلنج دیتا ہے۔ اور ماروی کو اس چیلنج کا مقابلہ کرتے کرتے زندگی کے تماشے پر ہنسنا آگیا تھا۔ مسکرانا آگیا تھا۔ جو اس کی جیت تھی۔ زندگی کی بہت ساری ٹھوکروں کا ایک مثبت جواب تھا۔ شمائل نے یہ بھی سچ کہا تھا کہ وقت سب سے بڑا مرہم ہوتا ہے اور اس کی اچھی بات یہ ہوتی ہے کہ یہ گزر جاتا ہے رکتا نہیں۔ اور واقعی وقت کی سب سے اچھی بات یہ ہوتی ہے کہ یہ ٹھہرتا نہیں۔ ماروی ایسی ہی بہت سی سوچوں میں گھری ویمن ہاسٹل کے سامنے پہنچ گئی۔ چند منٹ بعد ہی صدف کی گاڑی آتی دکھائی دی۔ وہ اکیلی تھی۔ وہ اپنی گاڑی سے اتری تو ماروی بھی اتر آئی۔ دونوں ایک دوسرے سے لپٹ گئیں۔ کتنے بہت سارے دنوں کے بعد وہ مل رہی تھیں۔ وہ جو ہر دکھ سکھ بانٹ لیتی تھیں۔ ان کا ساتھ محض دو برسوں کا تھا مگر دو صدیوں کا لگتا تھا اور دو صدیوں کے بیچ جدائی کی دو صدیاں اور حائل ہو گئی تھیں۔

تم بہت بری ہو۔۔۔۔۔میں ایک مہینے سے یہاں آئی ہوں، پر تم نے وعدے کے مطابق مجھ سے رابطہ نہیں کیا۔ تم نے کہا تھا کہ واپس آکر تم مجھے کشمیر کی سیر کروانے

لے جاؤں گی۔ میں وقت پر واپس آ گئی تھی۔ تمہارا اتنا انتظار بھی کیا اور تم اب فون کر رہی ہو ۔۔۔۔ پتہ ہے رزلٹ بھی آ گیا ہے اور اب ایڈمشن شروع ہو جائیں گے۔ پھر اوپر نیچے جیسی پیاری بہن سے ملنے کا کہاں وقت ملے گا؟ ۔۔۔۔ صدف بولتی پر اور ہی تھی اور رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی جیسے سارے شکوے ایک سانس میں بول دینا چاہتی ہو۔

بس بھی کر دو صدف ۔۔۔ کیا مجھے بولنے نہیں دو گی ۔۔۔ ماروی سادہ سے لہجے میں بولی۔ نہیں پہلے تمہیں میری ساری ڈانٹ سنی ہو گی۔۔۔ صدف پھر تیز انداز میں بولی۔

بعد میں ڈانٹ لینا پہلے میری بات سن لو ۔۔۔۔ ماروی عجیب سے لہجے میں بولی، آج کئی دنوں بعد اس کا شدت سے رونے کو دل چاہ رہا تھا۔۔۔۔ اسے اپنے زخم کھرچ کر صدف کو دکھانے تھے کہ دیکھو کتنے گہرے ہیں۔ ابھی تک بھر نہیں پائے۔ اسے یہ بھی بتانا تھا کہ جس زندگی سے ملاقات کی بات صدف کرتی تھی ماروی کی اس زندگی سے ملاقات بہت جلد ہو گئی تھی جہاں دکھ تھے، بے حسی تھی، غم کے الاؤ جلتے تھے۔ ماروی نے آج کل خوش اخلاقی اور لاپرواہی کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا۔ جو صدف کو دیکھتے ہی تار تار ہو رہا تھا۔ یا پھر شاید طاؤس کی محبت نے پرانے زخم بھلا دیے تھے۔ مگر آج اسے صدف کو ایک ایک لفظ بتانا تھا۔۔۔۔ ماروی کا عجیب سا لہجہ سن کر صدف کا ماتھا ٹھنکا وہ چونک کر بولی۔

خیریت تو ہے ۔۔۔۔ اور یہ تم کس کی گاڑی میں آئی ہو ۔۔۔ صدف نے پہلی بار ڈرائیور اور گاڑی کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا اور سوال کیا۔

ماروی واپس پلٹی اور ڈرائیور کو ہدایات دیں کہ وہ واپس چلا جائے اور اگر اسے دیر ہو جائے تو دوبارہ یہ کو اسکول سے واپس بھی لے آئے۔ آج وہ اتنے دنوں بعد صدف سے ملی تھی بہت کچھ کہنا سننا تھا۔ ڈرائیور واپس چلا گیا اور ماروی واپس پلٹ آئی۔ اس نے صدف کا ہاتھ پکڑا اور اسی بینچ پر لے آئی جہاں چند دن پہلے انیتا کے ساتھ بیٹھی تھی اور طاؤس کی بے شمار باتیں کی تھیں۔

صدف میں تو اس شہر میں اسی وقت واپس آ گئی تھی۔ جب میں امتحان دے کر گاؤں گئی تھی بس ایک ماہ میں وہاں رہ پائی ۔۔۔۔ ماروی کے ذہن میں اپنی کہانی فلم کی طرح چلنے لگی۔

ایک ماہ!۔۔۔۔تو تم یہاں کہاں رہ رہی ہو۔۔۔کیا اس ہاسٹل میں؟۔۔۔۔ صدف ہاسٹل کی طرف اشارہ کرکے انداز۔ے سے بولی۔ بہت بری ہو تم۔۔۔۔کیا می کے پاس نہیں آسکتی تھیں۔۔۔۔تمہارے ذکر سے انہیں بیٹیوں کی طرح پیار ہے۔۔۔۔ وہ بولتے بولتے رک گئی۔

ماروی لفظ ڈھونڈ رہی تھی کہ وہ صدف کو کیا بتاتی کہاں سے بتاتی۔

ماروی مگر تم گاؤں سے واپس کیوں آ گئیں؟۔۔۔۔ادی زینب کی طبیعت تو اب ٹھیک ہے نا۔۔۔۔صدف کو اچانک خیال آیا ادی۔۔۔۔ادی زینب۔۔۔۔۔یہ نام لیتے وقت ماروی کے دل پر زخم سے بڑھنے لگے وہ رکی اور پھر بولی۔

وہ تو اسی دن مر گئی تھی جس دن میں گاؤں پہنچی تھی۔۔۔۔ماروی نے ایسے لہجے میں یہ خبر سنائی کہ صدف کے ہوش اڑ گئے۔

کیا!۔۔۔کیا کہہ رہی ہو تم؟۔۔۔ماروی تم ہوش میں تو ہو؟۔۔۔ادی!۔۔۔ صدف تقریباً چیخ کر بولی۔

ہاں صدف۔۔۔بالکل ہوش میں ہوں۔ ماروی نے اپنی آنکھوں کے نم گوشے صاف کرکے کہا۔ اور پھر اس سے زینب کی وفات سے لے کر آج تک کی ہر حقیقت صدف کے آگے بیان کردی۔ کس طرح زینب کا انتقال ہوا کیسے ماسی زلیخا نے اس کی اور ادا نور محمد کی شادی کی بات کی۔ کیوں نور محمد اور سفیر نے مل کر اسے اپنے ہی گاؤں سے راتوں رات بھاگ جانے میں مدد دی اور کیسے وہ اس ویمن ہاسٹل میں آ گئی۔ شمائل کی دوستی سے لے کر اسفند کے خطوں اور پھر انیتا کی دوستی سے لے کر بہادر خان کا اس کے ڈھونڈ لینے تک سب بتا دیا۔ یہ بھی بتا دیا کہ اس نے پناہ کے طور پر کس طرح بل ریڈ ہاؤس میں نوکری کی۔ حتیٰ کہ اس نے طاؤس کا قصیدہ پڑھ کر اسے یہ بھی بتا دیا کہ آج کل وہ ایک یک طرفہ محبت میں کس طرح گرفتار ہے۔ اور چند دنوں میں اس حد پر جا پہنچی ہے جہاں اسے نظر بھر کر دیکھنا ہی اس کے لیے بڑا کام ہے جب کہ اسے یہ فکر بھی نہیں رہی کہ طاؤس اسے دیکھتا بھی ہے یا نہیں۔۔۔۔ماروی نے اختتام میں یہ بھی کہا کہ اس مختصر سفر میں بلکہ اس بے گھری کے سفر میں۔۔۔۔صدف میرے پاؤں میں بہت چھالے پڑ گئے ہیں۔

۔۔۔ میں چاہتی ہوں کہ کوئی میرے ان چھالوں پر مرہم رکھے کوئی تو میرے لیے کھل جا سم سم کا منتر پڑھنے کی کوشش کرے۔ مگر میری خوش قسمتی کہہ لو یا بدقسمتی کہ اسفند مجھ سے ملنا نہیں چاہتا اور طاؤس کی منزل ہی کوئی اور ہے۔۔۔۔ وہ بولتے بولتے رک گئی۔

صدف جو بہت دیر سے خاموشی سے اس کی داستان سن رہی تھی ماروی کے خاموش ہو جانے کے بعد بھی خاموش رہی۔ اس عرصے میں ماروی کے ساتھ اس کے بھی کئی آنسو بہہ چکے تھے۔

خاموش کیوں ہو صدف؟۔۔۔ کچھ تو بولو۔۔۔ ماروی اسے خاموش دیکھ کر بول اٹھی۔

کیا بولوں؟۔۔۔ وہ اپنی آنکھیں دوپٹے سے خشک کرتی ہوئی بولی۔ کیا بولوں؟ ۔۔۔ جن کے لیے تم رو چکیں ان کی تعزیت کروں۔۔۔ تمہیں اس نئی زندگی پر جہاں تم چوہے بلی کا کھیل کھیل رہی ہو، شاباش دوں، یا پھر چیخ چلا کر اس دنیا کو بتاؤں، کہ آج کے مشینی دور کی دوست ایسی ہوتی ہیں۔ جو اپنے دکھوں، اپنے غموں میں اپنی ہی دوست کو شریک کرنا بالکل پسند نہیں کرتیں۔ تم نے اگر مجھے اپنا سمجھا ہوتا تو میری ماں کو بھی اپنا سمجھتیں اور ان ملک صاحب کے پاس جانے کے بجائے تم میری ماں کے گھر آ جاتیں۔ کیا می تمہیں میرا پتہ نہ دیتیں۔ تم مجھے واپس بلا لیتیں۔ ہم دونوں مل بانٹ کر دکھ کے دن کاٹ لیتے۔ مگر تم نے مجھے اس لائق نہیں سمجھا۔۔۔ اس لائق تو کیا تم نے مجھے اپنا ہی نہیں سمجھا۔۔۔ صدف شدید غصے میں بول رہی تھی۔ ماروی اس کے اس ردعمل پر بہت حیران ہوئی اور پھر پشیمان بھی۔ اس نے صدف کا ہاتھ پکڑا اور بولی۔

صدف۔۔۔ صدف نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

جاؤ ماروی بیگم۔۔۔ جاؤ۔۔۔ اور خود جو سفر شروع کیے ہیں انہیں خود طے بھی کرو میں تمہارے راستے میں نہیں آؤں گی۔ اور تم نے آج مجھے کیسے یاد کر لیا۔ میں جو بے وقوفوں کی طرح تمہارا انتظار کرتی رہی۔ تم آؤ گی اور مجھے کشمیر لے جاؤ گی اپنی زینب سے ملواؤ گی اجالا روشنی اور کرن سے ملواؤ گی۔ اپنے ٹھنڈے میٹھے جھرنوں ۔۔۔ کی ایک ملاقات کرواؤ گی۔ مگر تم کہاں سے کہاں نکل گئیں۔ میں ہی بے وقوف تھی جو تمہارا انتظار کرتی رہی۔۔۔ صدف تیزی سے بولتی ہوئی اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی۔

ماروی بھی کھڑی ہوگئی اس نے صدف کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں سے تھام لیا اور چند لمحے اس کے غصے کی شدت سے سرخ ہوتے چہرے کو دیکھتی رہی۔ اس نے صدف کو گلے لگا لیا۔ دونوں ہی سسک اٹھی تھیں چند ثانیے بعد دونوں بیٹھ چکی تھیں اور دونوں ہی خاموش تھیں۔

تم مجھے خط ہی لکھ دیتیں۔۔۔۔۔ممی سے ایڈریس لے لیتیں۔ میں واپس آنے میں ایک پل نہ لگاتی، بھلا وہاں میرے لئے کیا رکھا تھا۔ صرف ڈیڈی کو خوش کرنے کے لئے میں وہاں رک رہی تھی۔ ہم دونوں مل کر دکھ بانٹ لیتے تو تمہارے دکھ کی شدت کچھ تو کم ہوتی۔۔۔۔۔ ماروی تم نے یہ سب کیسے سہہ لیا۔ اتنے بڑے بڑے عذاب ہی تو تھے جو تم تنہا اپنی نازک سی ذات پر سہتی رہیں۔ کیا واقعی پہاڑوں کی بیٹیاں اتنی ہی ہمت والی ہوتی ہیں جتنی کہ تم نکلیں؟ صدف اس کو بغور دیکھتی ہوئی بول رہی تھی۔

ماروی اس کی بات سن کر چند لمحے خاموشی سے آسمان کو دیکھتی رہی پھر بولی۔

تمہیں پتہ ہے صدف ایک بار تم نے کہا تھا کہ بہادری اسی میں ہے کہ ہم زندگی سے بازی لگا کر پل پل جیئے اور پل پل مرے۔ یہ تماشہ دیکھیں اور میں نے جواب دیا تھا کہ کیا تم جانتی ہو کہ یہ تماشا دیکھنا کتنا مشکل ہوتا ہے کتنا ہولناک ہے یہ تماشا؟۔۔۔۔ ایک بات بتاؤں صدف ہم دونوں ہی سچے تھے۔ وہ بھی ٹھیک کہتی تھی جس کی زندہ مثال میں آج ہوں، تمہارے سامنے کھڑی ہوں۔ ہزار مسئلے، دکھ، غم، گزر گئے مگر میں مسکرانا نہ بھولی اور میں بھی ٹھیک کہتی تھی۔ اس عمل میں جتنا لہو میری آنکھوں اور میرے دل نے رویا ہے کیا ہی کبھی کسی نے رویا ہوگا۔

چلو جو ہو چکا اسے اب بھلا دینے میں ہی بہتری ہے۔۔۔۔ میں سمجھ سکتی ہوں کہ

ادی زینب کی بچیاں اور تمہاری دادی تمہیں کس قدر یاد آتی ہوگی۔ مگر ماروی یہ جو تم نے مجھے مسز اسفند اور مسٹر طاؤس کے بارے میں بتایا ہے یہ تا حال کافی پیچیدہ مسائل ہیں ۔۔۔ بائی دی وے یہ مسٹر طاؤس وہ تخت طاؤس والے طاؤس تو نہیں۔

ہاں بالکل ۔۔۔ تخت طاؤس والا ہی تو ہے ۔۔۔ جس میں ہیرے جڑے ہوتے ہیں ۔۔۔ ماروی مسکرا کر بولی تھی۔

ویسے میڈم یہ سراسر بے وقوفی نہیں ہے۔؟ میں تمہارے جیسی عقل مند لڑکی سے ایسی توقع نہیں رکھتی تھی صدف سنجیدہ لہجے میں بولی۔

مائی ڈیئر اسی کو محبت کہتے ہیں ۔۔۔

اور میری محبت کوئی صلہ نہیں مانگتی بلکہ صرف وہ کرتی ہے جو دل کرتا ہے ۔۔۔ اب مجھے اتنا حق تو ہونا چاہیے آخر یہ میری زندگی ہے ۔۔۔ ماروی بھی سنجیدہ لہجے میں بولی۔

ماروی سدھر جاؤ اب بھی بہت وقت ہے سدھر جاؤ کسی بے منزل کی خاطر ۔۔۔

بس صدف اس سے آگے کچھ مت کہنا ۔۔۔ ماروی صدف کی بات کاٹ کر تیزی سے بولی۔ منزل کی تلاش ہی کسے ہے؟ ۔۔۔ کون کافر منزل کو ڈھونڈ رہا ہے؟ ۔۔۔ انجام، انتقام، وصال یہ سب میرے لیے بے معنی الفاظ ہیں ۔۔۔ ماروی کے چہرے پر اس کے پختہ ارادے نمایاں تھے تو کیا تم واقعی بغیر کسی ثمر کی امید کے یہ سفر جاری رکھو گی؟ ۔۔۔ صدف پھر بول اٹھی۔

جاری ہی نہیں رکھوں گی۔ بلکہ خوش اسلوبی سے طے بھی کر دوں گی ۔۔۔ ٹی زیڈ ہاؤس میں دعا کے لئے پھولوں کی بارش بھی میں کروں گی ۔۔۔ اسے دلہن بھی میں کہوں گی ۔۔۔ ماروی کا لہجہ بہت واضح اور روشن تھا۔

یہ پاگل پن ہے۔ سراسر پاگل پن ہے ماروی ۔۔۔ صدف حیرت سے بولی۔

محبت اندھی ہوتی ہے اور کسی حد تک پاگل بھی ۔۔۔ ماروی مسکرا کر بولی۔

کیا تم جانتی ہو کہ یہ سب ایک حد پر جا کر تمہارے لیے کس قدر نقصان دہ ثابت ہوگا۔ تم کتنی اکیلی ہو جاؤ گی۔ جب کہ اس کی دنیا ہری بھری رہے گی وہ شادی کر کے پوری زندگی اطمینان سے گزار دے گا اور تم برسات کو ڈھونڈتی رہ جاؤ گی ۔۔۔ صدف نرم

انداز میں بول رہی تھی۔

اس کی دنیا ہری بھری رہے۔ وہ سدا پھولوں کی طرح مسکراتا رہے۔ ستارے اپنی روشنی سدا اس کی خاطر اس دنیا میں بکھیرتے رہیں۔ چاند اس کے لئے لمبی عمر کی دعائیں کرتا رہے۔ فطرت اس کی خاطر یونہی نظارے لٹاتی رہے۔ یہ دعائیں تو عرصے سے میری دعاؤں میں شامل ہو چکی ہیں۔ میں اس کی خوشیوں میں خوش رہوں گی۔ اس سے زیادہ کی چاہت یا خواہش مجھے نہیں ہے۔

ماروی۔۔۔ کیا تم اس قدر سیریس ہو۔۔۔۔۔

صدف اس کے انوٹ لہجے کے آگے ہار مان کر بولی۔

کس قدر یہ تو میں نہیں جانتی مگر اتنا جانتی ہوں کہ میں پہاڑوں کی بیٹی ہوں اور پہاڑوں کی ہمت والی بیٹیوں کو انجام کی پرواہ کئے بغیر ہر سفر طے کرنا ہوتا ہے۔ چاہے وہ پرخار ہو یا سبزہ زار اور میں بھی کر رہی ہوں۔ تم تو جانتی ہو میں کس قدر روایتی لڑکی ہوں۔ پچی روایات سے کیسے منہ موڑ لوں۔ محبت کر لی تو بس کر لی، شکست دیکھ کر واپس بھاگ جانا میری فطرت میں نہیں ہے۔ ہار ہو یا جیت، اب یہی میدان عمل تو زندگی ہے۔

صدف اس کی باتیں سن کر خاموش ہو گئی اور بہت دیر تک خاموش رہی اس عرصے میں ماروی بھی خاموشی سے آسمان پر اڑتے ہوئے پرندوں اور بادلوں کے ٹکڑوں کو دیکھتی رہی۔

اس کا مطلب ہے ماروی کہ تمہاری آرزو تو پوری ہوئی اور چمنستان کا پھول بھی تمہیں مل گیا۔ مگر صدف دھیمے لہجے میں دھوپ کو دیکھتی ہوئی بولی۔

ہاں صدف مگر اس پھول کا مالی کوئی اور ہے اس چمنستان کا مالک کوئی اور ہے صدف اس حقیقت کو میں نے اب جا کے جانا ہے کہ پھولوں کی آرزو بھی کتنی مہنگی پڑتی ہے شاید میں ہی بھول گئی تھی کہ آرزوئے پھول اس دنیا کی سب سے مہنگی چیز ہے سب سے مہنگی۔ پہلی بار صدف نے ماروی کے لہجے میں ناکامی کی رمق محسوس کی۔ ایسی ناکامی جس کا درد دل کے کہیں بہت اندر چھپا رکھا تھا۔

اور تو کچھ نہیں دے سکتی ماروی۔۔۔۔ مگر تمہاری یہ دوست آج سچے دل سے

تمہیں ایک دعا دیتی ہے جس سفر کو تم محض اپنی روایات کی پاسداری اور دل کی سچائی کے بل پر طے کر رہی ہو اس سفر کی منزل تمہاری قسمت میں لکھی جائے اور اس منزل پر پہنچ کر تم اپنے دل کی ہر مراد ہر خوشی پالو، چاہے وہ طاؤس کی صورت ہو یا نہ ہو مگر خوشیاں جھولی بھر کر تم پر لٹنے آئیں اور تم مسکرا کر ان کا استقبال کرو۔ تمہیں تمہاری ریاضت کا اتنا میٹھا پھل ملے کہ دنیا کا خدا اور اس کی کرامات پر اعتبار اپنی زندگی سے بھی بڑھ کر ہو جائے۔ یہ دعا میرے دل کی ان گہرائیوں سے نکلی ہے جہاں شاید خدا بستا ہے۔۔۔۔ صدف محبت بھرے لہجے میں بولی۔

ماروی نے اس کو تشکر بھری نظروں سے دیکھا۔ یہ تو نہیں کہہ سکتی صدف کہ تمہاری یہ دعا قبول ہو گی کہ نہیں اتنی خوش قسمت ہوئی نا اور یہ دعا قبول ہو گئی تو یاد رکھنا ماروی اپنی ادی نصیب کی ہر دعا تمہارے نام لکھ دے گی۔

اس سے زیادہ مجھے کچھ چاہیئے بھی نہیں ہوگا۔ صدف نے ماروی کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر ہولے سے دبا کر کہا۔

ٹی زیڈ ہاؤس تک اسے صدف چھوڑ گئی تھی زوباریہ کی آنکھوں میں پھر شکایت تھی کہ وہ آج اسے اسکول سے لینے نہیں آئی تھی مگر ماروی نے بہت محبت سے اسے سمجھایا تو وہ مطمئن ہو گئی۔

آج کل زوباریہ ہر پل ماروی کے ساتھ تھی حتیٰ کہ کھانا بھی وہ ماروی کے ساتھ اس کے کمرے میں کھا رہی تھی۔ ماروی ہر مشکل اپنی پلکوں پر سمیٹ کر بھی مطمئن نظر آتی تھی۔ زوباریہ کے کاموں میں مشغول رہتے دن رات گزرنے لگے۔ طاؤس خان کی واپسی کے دن قریب آ گئے تھے۔ ایک دن انیتا کا فون بھی آ گیا۔

کتنی بری بات ہے اس دن کے بعد تم آج فون کر رہی ہو ماروی شکایت بھرے لہجے میں بول رہی تھی دوپہر کا وقت تھا زوباریہ اس وقت سو رہی تھی۔

تم کیا جانو میری مجبوری۔۔۔۔۔ جب آرڈر ہوتا ہے تبھی فون کر سکتی ہوں۔ انیتا بولی اور خاموش ہو گئی۔

آرڈر، کس کا آرڈر۔۔۔۔۔ ماروی نے حیرت سے پوچھا۔

ارے بھئی ساس صاحبہ کا۔۔۔۔فون پر تالا لگا دیتی ہیں بہت بڑی دیوانی ہیں وہ ۔۔۔۔اینیا چند ثانیے بعد بولی۔اس کے لہجے میں غصہ جھلک رہا تھا۔

ماروی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔تمہاری ساس دیوانی ہیں میں نے تو آج تک کوئی دیوانی ساس نہیں دیکھی۔۔۔۔۔یہ خطاب پہلی بہو کے منہ سے سنا ہے۔

ہیں بھئی اور ایسی ویسی نہیں بلکہ دنیا کی نمبر ایک دیوانی۔۔۔۔ان کے حکم کے بغیر کچھ نہیں کر سکتی۔۔۔۔اچھا چھوڑو تم یہ بتاؤ تمہاری لو اسٹوری کہاں تک پہنچی؟۔۔۔۔وہ موڈ بدل کر بولی۔

اسٹوری کہو۔۔۔۔لو ہے ہی کہاں۔۔۔۔ماروی مسکرا کر بولی۔

کیوں کیا تم نے دعا کے آگے گھٹنے ٹیک دیے اینیا خوشگوار لہجے میں بول اٹھی۔

وہ تو ہمیشہ سے ہے آج کہاں؟۔۔۔۔

کیا مطلب۔

مطلب یہ کہ مقابلہ تھا ہی کہاں۔۔۔۔

مقابلہ تو وہ ہوتا ہے جس کا فیصلہ ہونا ہوتا ہے اور اس اسٹوری کا فیصلہ تو اس اسٹوری کے شروع ہونے سے پہلے ہی ہو چکا تھا۔ماروی مسکراتے ہوئے بول رہی تھی۔

تو نوکری چھوڑنے کا ارادہ نہیں ہے؟۔اینیا سوالیہ لہجے میں بولی۔

ہاں فی الحال تو نہیں ہے۔میرا کیا نے رہی ہے بلکہ مجھے تو یہاں کی عادت سی ہو گئی ہے یہ خیال ہی مطمئن کر دیتا ہے کہ یہ اس کا گھر ہے اس کے ہر گوشے سے اس کے وجود کی خوشبو آتی ہے۔۔۔۔جو میرے لئے کافی ہے۔

فرض کرو ماروی وہ تمہیں مل جائے؟۔۔۔۔اینیا نے سنجیدہ لہجے میں سوال کیا۔

ماروی ناممکنات کو خیالوں میں ممکن بنا کر خوش رہنے والوں میں ہوتی تو اس زندگی سے شاید کوئی گلہ نہ ہوتا۔ویسے بھی حقیقت اور سچ پر میرا ہمیشہ یقین رہا ہے۔

کیا واقعی تم ایسا نہیں سوچتیں۔

ہاں ماروی کے لہجے میں سچائی در آئی۔

ویسے بھی میں تم سے کچھ کہنا چاہ رہی تھی۔کیا؟

مجھے صدف بھی ملی تھی تم اور صدف میری دوست ہو میری ہم راز ہو مگر میں صدف سے بھی یہ وعدہ لوں گی کہ آج کے بعد اس ٹاپک پر بات نہیں ہوگی۔

کیا مطلب؟ انیتا حیرت سے بولی۔

مطلب یہ کہ منہ سے نکلی بات آسمانوں تک جا پہنچتی ہے کہیں کسی کو بھنک بھی پڑ گئی تو ماروی کی انا اور غرور دونوں چکنا چور ہو جائیں گے۔ وہ مجھے تھرڈ کلاس لڑکی سمجھے گا۔ اور وہ میری زندگی کا آخری دن ہوگا۔ وعدہ کرو کہ یہ راز تمہارے سینے میں دفن ہو جائے گا اور آج کے بعد ان الفاظ کا ذائقہ تمہارے ہونٹ کبھی نہیں چکھیں گے۔ ماروی اٹل لہجے میں بولی تھی۔

مگر جب دل کی بات سننے والا کوئی نہیں ہوگا تو تم۔۔۔۔ انیتا تیزی سے بولی۔

چھ۔۔۔۔ چھوڑو نا۔۔۔۔ میری پرواہ مت کرو، سچ بتاؤں میں نے جلنا کڑھنا چھوڑ دیا ہے جو نہیں ملتا وہ خواہشوں میں بھی ہو تو بھول جاتی ہوں۔ بلکہ بھول جانا بہتر سمجھتی ہوں۔ وعدہ کرو نا۔۔۔۔ آج کے بعد کبھی مجھ سے بھی یہ بات نہیں کرو گی۔

مگر ماروی کون ہے تمہارا جس سے سب کہہ سکو گی؟ کوئی ہمت نہیں بندھائے گا محبت کے دو بول نہیں کہے گا تو زندگی کا یہ سفر کیسے جاری رہے گا؟۔

میں نے کہا نا میں نے جلنا کڑھنا چھوڑ دیا ہے۔ اس معاملے میں مجھے اب کسی کی ہمدردی نہیں چاہئے وہ خواہشوں میں ضرور تھا مگر اب میں نے صبر کر لیا ہے وقت کے ساتھ ساتھ خوش رہنا بھی سیکھ لوں گی۔ سچ کہوں تو ذوبار یہ کی معصوم باتوں اور ہنسی مسکراہٹ نے زندگی کے بہت سارے بلکہ سبھی زخموں کو پھول بنا دیا ہے اور اب میں زندگی کے تماشے پر ہنسنے کی ہمت بھی آ گئی ہے۔ ماروی اٹل لہجے میں بول رہی تھی۔ آج اس کے لہجے سے لگ رہا تھا کہ بارش برس چکی ہے اور وہ رو چکی ہے جتنا اسے رونا چاہئے تھا۔

ٹھیک ہے۔ میں وعدہ کرتی ہوں۔

تھینک یو! مجھے تم سے یہی امید تھی۔

مگر ایک بات ضرور کہوں گی ماروی تم بہت ہمت والی ہو۔۔۔۔ بہت زیادہ انیتا محبت سے بولی۔

ارے نہیں۔۔۔۔بس نظر آتی ہوں۔۔۔۔ماروی دھیمے سے مسکرا کر بولی۔

اچانک فون کے درمیان کسی تیسری آواز کی سرگوشی سی محسوس ہوئی ماروی اور انیتا چونک اٹھیں۔

انیتا کیا کوئی ہماری باتیں سن رہا ہے۔۔۔۔

ماروی تیزی سے بولی۔

ہاں نہیں۔۔۔۔شاید کسی کی لائن مل گئی ہے۔۔۔۔انیتا بھی تیزی سے بولی تھی۔

چھوڑو۔۔۔۔ماروی نے جلدی سے کہا۔

دیکھو۔۔۔۔کون ہو تم۔۔۔۔اگر کوئی ہو تو بولو؟ انیتا غصے میں بولی۔

چھوڑو انیتا بھلا کوئی ہوا تو بولے گا۔۔۔۔میں فون رکھتی ہوں۔ماروی چند لمحوں بعد بولی۔

مگر یہ جو کوئی بھی ہے بہت گھٹیا انسان ہے۔انیتا پھر تیز لہجے میں غصے سے بولی۔

چھوڑو نا۔۔۔۔خدا حافظ۔

خدا حافظ۔۔۔۔انیتا نے بھی کہا اور فون رکھ دیا۔طاوس کے آنے کی اطلاع اگلے دن کی تھی۔شام میں ماروی ذوباریہ کو پارک میں گھمانے لے گئی تھی جہاں وہ دوسرے بچوں کے ساتھ کھیلتی رہی مگر گھر واپسی پر ذوباریہ کی زبان پر ایک ہی ضد تھی کہ یا تو اسے رات تک وہیں رہنا تھا یا پھر اسے گھر میں سلائیڈز منگوا کر دی جائیں۔وہ اپنی بات نہ مانے جانے پر غصے میں تھی وہ جانتی تھی کہ ماروی اس کی کسی بات کو رد نہیں کرتی اس لئے وہ ضد کر بیٹھی تھی۔

لیکن ذوباریہ ابھی تو رات ہونے والی ہے صبح منگوا دوں گی۔۔۔۔ویسے بھی کل تمہارے آکا آرہے ہیں وہی منگوا کر دیں گے ماروی اسے سمجھاتے ہوئے اس کی گردن کے گرد بازو حائل کر کے بولی۔

مجھے ابھی چاہئے اور بس ابھی چاہئے۔۔۔۔

اور ابھی نہیں چاہیے۔۔۔۔ذوباریہ ضدی لہجے میں بولی ماروی نے لاکھ سمجھایا کہ ایک دن کا انتظار کرے مگر ذوباریہ اپنی ضد پر قائم تھی سو ماروی کو ہار ماننی پڑی اور ہاشمی

صاحب سے کہہ کر ایک گھنٹے کے اندر اندر سلائیڈز لان میں موجود تھیں۔

اب اگر تمہارے آکا نے مجھے ڈانٹا تو بس تمہارا نام لوں گی ۔۔۔ آ گئی سمجھ ۔۔۔ ماروی ذوباریہ کو سلائیڈز پر خوشی خوشی پھسلتے دیکھ کر اونچی آواز میں بول رہی تھی۔

آپ بھی آئیں نا میڈم ۔۔۔ ذوباریہ اپنی جگہ سے بولی۔

میں ۔۔۔ ماروی ہنسنے لگی۔

ہاں آپ ۔۔۔ آئیں نا ۔۔۔ وہ پھر بول اٹھی۔

میں کوئی بچی ہوں ۔۔۔ بس تم کھیلو ۔۔۔ ماروی بولتے ہوئے قریب پڑی کرسیوں پر بیٹھ گئی۔

ذوباریہ خوش تھی۔ وہ رات تک کھیلتی رہی اور ماروی کھانے کے لئے اسے بلاتے بلاتے تھک گئی وہ تھوڑی دیر کے لئے آئی کھانا کھایا اور پھر اس پر سوار ہو گئی۔

ذوباریہ بس کر دو ۔۔۔ اب یہ تمہارا اپنا ہے ۔۔۔ کل پھر کھیل لینا ۔۔۔ اب دیکھو کتنی رات ہو گئی ہے ۔۔۔ بس اب میں تمہیں نہیں جانے دوں گی۔ ماروی اس کا بازو پکڑتی ہوئی بول رہی تھی۔

بس آخری دفعہ میڈم ۔۔۔ بس ایک بار ۔۔۔ ذوباریہ منت کرنے لگی۔

نہیں ایک بار بھی نہیں ۔۔۔ صبح اسکول بھی جانا ہے اور کل آکا بھی آ رہے ہیں ۔ فوراً چلو۔ ماروی اسے سمجھاتی ہوئی اس کا بازو چھوڑ کر ہاتھ پکڑ کر بولی۔

لیکن اچانک ذوباریہ اپنا ہاتھ چھڑا کر قہقہے لگاتی ہوئی سلائیڈز کی سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ ماروی اسے پکارتی رہ گئی مگر وہ اوپر پہنچ چکی تھی لیکن اچانک ذوباریہ کی چیخ بلند ہوئی اور وہ تیزی سے سیڑھیوں کے راستے نیچے آ گری۔ اس کی فراک کسی گرل میں پھنسی تھی وہ پیچھے مڑ کر اپنا فراک چھڑانا چاہتی تھی اور اسی اثناء میں وہ اپنا توازن کھو بیٹھی اونچائی سے نیچے آ گری۔ ماروی چیخ مار کر اس کے قریب گئی اور اسے بانہوں میں بھر لیا۔

ذوبا ۔۔۔ ذوبا ۔۔۔ وہ چیختی جا رہی تھی۔

چوکیدار، مالی، ڈرائیور سبھی دوڑ کر اس کے قریب آ گئے تھے اور ماروی کے ذہن میں زینب کا چہرہ گھوم گیا وہ جسے بھی ٹوٹ کر چاہتی تھی وہ جدا ہو جاتا تھا آج کل وہ دل و

جان سے اپنی محبت ذوبار یہ پر نچھاور کر رہی تھی۔ اس کا ذہن آنکھیں حلق سب جلنے لگا وہ ہسٹریائی انداز میں ذوبار یہ کو آوازیں دے رہی تھی مگر ذوبار یہ شاید بے ہوش ہوئی تھی اس کے سر سے لال لال خون بہہ رہا تھا جو ماروی کے ہاتھ اور بازو کو بھی سرخ کر گیا تھا۔
اچانک ہاشمی صاحب آنکلے۔

آنا فاناً اسے گاڑی میں ڈال کر اسپتال لے جایا گیا ماروی اس کے ساتھ ساتھ تھی۔ ہاشمی صاحب نے بڑی تندہی سے اسے ڈاکٹروں کے حوالے کیا بہت دیر گزر گئی مگر کوئی جواب نہیں آیا تھا وہ کیسی تھی؟ اسے کیا ہوا تھا؟ کوئی بھی نہیں بتا رہا تھا۔ جس وقت ماروی نے اسے آپریشن تھیٹر میں لے جاتے ہوئے دیکھا تھا اس کا ایک بازو اور سر بری طرح خون میں لت پت پڑا تھا۔

صبح کے تین بج گئے ، ماروی کو جتنی دعائیں یاد تھیں وہ مانگ چکی تھی کتنی ہی بار وہ ہاشمی صاحب کے منع کرنے کے باوجود آپریشن تھیٹر کے باہر آئی آنسو بہا کر دعائیں کرتی رہی اور ہاشمی صاحب اسے واپس لے جاتے رہے۔

یہ سب میری وجہ سے ہوا انکل۔۔۔۔

بچوں کی ضد میں بڑوں کو ان کی حدیں تو نہیں بھولنی چاہئے۔ میں نے کیوں منگوا کر دیا۔ اسے وہ کھلونا جس نے اس کا سارا خون لے لیا۔ ماروی لرزتے ہوئے لہجے میں بول رہی تھی۔

نہیں بیٹی ایسا مت کہو جو قسمت میں لکھا ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔ ہاشمی صاحب آہستہ سے بولے۔

میں کیا جواب دوں گی طاؤس کو۔۔۔۔۔ وہ تو سارا الزام مجھے دیں گے نا۔ میں نے ان آٹھ دنوں میں اس کی پھولوں کی طرح حفاظت کی تھی۔ اسے ایک پل بھائی کی یاد نہ آنے دی یہ سب تو میں خوشی خوشی انہیں بتانے والی تھی ہر محنت اس حادثے نے رائیگاں کر دی۔ ساری غلطی میری ہے۔ میں نے اسے ہر بات مان لینے کی عادت ڈال رکھی تھی۔ سب غلطی میری ہے۔

بس کرو ماروی۔۔۔۔ بس کرو بیٹی اور دعا کرو صبح طاؤس آرہا ہے اگر یہ ایک بری

خبر ہے تو اسے اچھی خبر بھی تمہاری وساطت سے ملنی چاہیئے۔ بس دعا کرو۔۔۔۔ وہ عینک اتار کر بولے۔ وہ اس بات سے بہت متاثر تھے کہ ماروی ذوباریہ کے لیے اس قدر محسوس کر رہی تھی۔

کتنی دعائیں کروں۔۔۔۔ جتنی یاد تھیں سب کر چکی کاش میں اپنی سانسیں اس کے نام لکھ سکتی میرا کیا ہے میرا تو کوئی رونے والا بھی نہیں۔ کاش انسان کو یہ اختیار ہوتا۔۔۔۔ وہ سر جھکائے ہوئے بول رہی تھی۔ کیوں سوچ رہی ہو ایسا مت سوچو ماروی ۔۔۔ اللہ سب بہتر کرے گا بیٹی۔

ہاشمی صاحب اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر بولے۔ اس پل انھیں شدت سے احساس ہو رہا تھا کہ ماروی نے بالکل اپنوں کی طرح ذوباریہ کو کس قدر اہمیت دی ہے۔ بہت جلد ماروی کو اطلاع مل گئی ہاشمی صاحب جو ڈاکٹر سے مل کر آ رہے تھے۔ ان کے چہرے کا اطمینان ماروی کو مطمئن کر گیا۔

دراصل اسپتال کا راستہ لمبا ہے۔ راستے میں خون بہت بہہ گیا تھا مگر اب وہ خطرے سے باہر ہے۔ اسے انتہائی نگہداشت کے وارڈ میں رکھا گیا ہے۔ صبح کمرے میں شفٹ ہو جائے گی۔ انھوں نے بتایا۔

یا اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔۔۔۔ ماروی نے کتنے گھنٹوں بعد سکون کا سانس لیا اور آرام سے بیٹھی۔

اب تم گھر چلی جاؤ بیٹی۔۔۔۔ میں یہاں ہوں۔ تم جا کر آرام کرو۔ صبح طاؤس بھی آ جائے گا۔ اسے تمام صورتحال سے آگاہ کر کے اس کے ساتھ چلی آنا۔ ہاشمی صاحب رسانیت سے بولے۔

نہیں انکل میں یہاں سے نہیں جاؤں گی۔ ورنہ میری جان یہیں اٹکی رہے گی۔ آپ جائیے میں تھکی نہیں ہوں۔ بلکہ اس کے ٹھیک ہونے کا سن کر تو میری تھوڑی بہت تھکن بھی دور ہو گئی ہے۔ آپ چلے جائیں ورنہ ڈرائیور طاؤس کو کس طرح بات بتائے۔ آپ جائیں۔ میں یہاں ہوں نا ٹھیک ہوں وہ اٹل لہجے میں بول رہی تھی۔ اچھا جیسی تمہاری مرضی مگر طاؤس کی فلائٹ صبح سات بجے ہے۔ میں ڈرائیور کے ساتھ یہیں سے

ایئرپورٹ چلا جاؤں گا۔ میں تمہیں اور زوباریہ کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔ وہ آہستہ آہستہ بول رہے تھے تھکن کے اثرات ان کے چہرے پر نمایاں تھے مگر وہ مطمئن دکھائی دے رہے تھے۔ وہ اور ماروی زوباریہ کو شیشوں کے پیچھے سے دیکھ کر مطمئن ہو گئے تھے ماروی کچھ ہی دور صوفے پر پاؤں اوپر کئے اس کی صحت کی دعاؤں میں مشغول تھی اسے وہ ننھی جان اپنی اُجالا، روشنی اور کرن کی طرح عزیز تھی۔ وہ اپنی ادی زینب کی تینوں یادگاروں کی اٹوٹ محبت صرف زوباریہ پر لٹاتی تھی۔ آج زوباریہ خطرے میں تھی تو اسے لگا کہ جیسے اجالا روشنی اور کرن تینوں کی جان خطرے میں تھی۔ اس نے اسی حالت میں بیٹھے بیٹھے کئی گھنٹے گزار دیئے کبھی اٹھ کر شیشوں کے باہر پٹیوں میں لپٹی زوباریہ کو دیکھتی اور پھر واپس آ کر اسی جگہ بیٹھ جاتی صبح کے چھ بجے تو ڈاکٹروں نے بھی اس کے بالکل ٹھیک ہونے کی اطلاع دے دی تھی۔ آٹھ بجنے میں کچھ منٹ ہوں گے کہ طاؤس اسے دور سے آتا ہوا دکھائی دیا اس کے ساتھ ہاشمی صاحب بھی تھے۔ ماروی رات بھر کی جاگی ہوئی تھی اس کی آنکھیں تھکن اور نیند کے مارے سوج رہی تھی وہ آسمانی اور سفید لباس میں ملبوس تھی۔ جو کافی شکن آلود ہو رہا تھا اس کے بال اس کے چہرے پر اس طرح بکھرے تھے جیسے بہت دیر سے سنوارے نہ ہوں۔ اس کے سوکھے ہونٹ اس بات کے غماز تھے کہ اس کا گلا کس قدر سوکھ رہا تھا۔ طاؤس کو دیکھتے ہی اس نے اپنے بالوں پر ہاتھ پھیر کر بال درست کئے اور دوپٹہ ٹھیک طرح سے اوڑھ کر کھڑی ہو گئی۔ آج پہلی بار اس کا سر طاؤس کے آگے جھک گیا تھا۔ وہ خود کو مجرم محسوس کر رہی تھی۔

آپ نے ثابت کر دیا ہے کہ آپ اس بات کی اہل نہیں ہیں کہ آپ پر بھروسہ کیا جائے مس ماروی، آپ نے میرے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی ہے اور ایسے لوگوں کو میں کبھی معاف نہیں کرتا۔ طاؤس کی شعلے برساتی آواز اس کے کانوں میں پڑ رہی تھی اس قسم کی اور بہت سی باتوں کی تو اسے خود کو توقع تھی۔ وہ اسی حالت میں کھڑی رہی۔

طاؤس چلا گیا اور ماروی وہیں بیٹھ گئی۔ اسے اب بھی پورا یقین تھا کہ قصور سارا اس کا ہی تھا۔ اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ پہلی بار طاؤس نے اس پر بھروسہ کیا تھا اور وہ اس میں بھی پوری نہ اتر سکی۔ یہ تو ایک الگ ہی دکھ تھا۔ دوپہر تک زوباریہ کو بھی ہوش آ گیا۔

اس وقت طاؤس اس کے کمرے میں ہی تھا۔اس نے طاؤس کو دیکھتے ہی سوال کیا۔میڈم کہاں ہیں؟

وہ باہر ہیں بیٹا۔۔۔۔۔تم بتاؤ۔۔۔۔۔تم ٹھیک تو ہونا؟۔۔۔۔۔طاؤس پیار بھرے لہجے میں بول رہا تھا۔

مجھے کیا ہوا تھا آ قا۔۔۔۔اور آپ کب آئے۔۔۔۔۔وہ آہستہ آہستہ بولی۔

تم ٹھیک ہو جاؤ گی، بازو اور سر پر زخم آئے ہیں۔۔۔۔۔اس نے محبت سے ماریہ کا بازو تھام کر کہا۔

آقا آپ میری طرف سے میڈم کو سوری کہہ دیں گے۔۔۔۔وہ پھر سے دھیرے سے بولی۔

سوری!! کیوں بیٹا؟۔۔۔۔طاؤس ماتھے پر بل لا کر بولا۔

میں نے ان کی بات نہیں مانی تھی۔۔۔۔۔۔وہ مجھے منع کر رہی تھیں اور میں پھر بھی سیڑھیوں پر چڑھ گئی اور پھر گر گئی۔۔۔۔ذوباریہ کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

طاؤس نے آگے بڑھ کر اس کا ماتھا چوم لیا۔۔۔۔رو تے نہیں ذوبا۔۔۔۔۔تم تو میری بہت بہادر بہن ہونا پتہ ہے جب مجھے پتا چلا کہ تمہیں چوٹ آئی ہے میں کتنا پریشان ہو گیا تھا۔تمہارے آقا تمہیں چھوڑ کر چلے گئے اس لئے ڈرتا ہوں نا بیٹا۔۔۔۔ورنہ تو میں جانتا ہوں کہ تم کتنی بہادر ہو۔۔۔۔ایسی چھوٹی چھوٹی چوٹیں تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔۔۔۔ہیں نا۔۔۔۔وہ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتا ہوا پیار سے بول رہا تھا۔

بہت درد ہو رہا ہے آقا۔۔۔۔۔ذوبا نے بازو کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

اتنے میں نرس انجیکشن تیار کر کے لے آئی، ذوباریہ انکار کرتی رہی مگر طاؤس نے یہ کہہ کر اسے جلدی ٹھیک ہونا ہے انجیکشن لگوا دیا۔وہ سو گئی اور طاؤس وہیں بیٹھا اس کے معصوم چہرے کو دیکھتا رہا، پھر بوجھل قدموں سے اٹھ کر آ گیا۔

اس کے قدم باہر جانے کے بجائے اس طرف اٹھ آئے جہاں ماروی بیٹھی تھی۔

صبح اس نے ماروی کو جس حالت میں اور جہاں چھوڑا تھا وہ وہیں بیٹھی تھی۔ہاشمی صاحب نے بہت زور دیا تھا کہ وہ یا تو گھر واپس چلی جائے یا پھر کچھ کھا لے مگر ماروی مسلسل انکار

کرتی رہی۔ اسے نہ تو بھوک لگ رہی تھی نہ پیاس وہ ذوبا ریہ کے ہوش میں آنے کی خبر کے انتظار میں وہاں بیٹھی تھی۔ اس نے اپنا سر پشت سے لگا رکھا تھا اس کی آنکھیں بند تھیں ہونٹ اب بھی خشک تھے اور آنکھوں کے پپوٹے اب بھی سوج رہے تھے اس کا گلابوں کی طرح کھلتا ہوا چہرہ مرجھایا ہوا لگ رہا تھا۔

طاؤس اس کے قریب آ کھڑا ہوا اس نے ہلکا سا گلا کھنکھارا۔۔۔۔ مگر ماروی متوجہ نہ ہوئی اب طاؤس نے اپنی انگلی سے ماروی کا ماتھا چھوا۔۔۔۔ ماروی نے آنکھیں کھول دیں ایسا لگا جیسے گہری نیند سے بیدار ہوئی ہو وہ طاؤس کو دیکھتے ہی کھڑی ہوگئی۔

بیٹھی رہیے طاؤس نے اطمینان سے کہا۔

ماروی آہستہ سے بیٹھ گئی طاؤس اس سے کچھ فاصلے پر بیٹھ گیا۔

میں جانتا ہوں کہ بچے ضد کرتے ہیں۔۔۔۔ مگر یہ بڑوں کا فرض ہوتا ہے کہ وہ انہیں ان چیزوں سے دور رکھیں جن سے انہیں خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔۔۔۔ ایسے کھیل پارکوں تک ہی اسی لئے محدود رکھے جاتے ہیں کہ اگر یہ سامنے ہوں تو بچے ایک پل بھی انہیں نہیں چھوڑتے۔۔۔۔ مانتا ہوں کہ میں نے کہا تھا کہ اس کی ہر خواہش پوری کرنا آپ کی ذمہ داری ہے اور کل رات ذوبا آپ کے منع کرنے کے باوجود بہت دیر تک کھیلتی رہی۔ اور اس میں آپ کی بہت غلطی بھی نہیں ہے۔

وہ چند لمحے رک گیا۔

ماروی کو نہ جانے کیوں اپنا سوکھا گلا تر سا ہوتا ہوا محسوس ہوا اس کے بے جان جسم میں جان آ گئی، اس نے اپنی پلکیں اٹھا کر طاؤس کو دیکھا جو چہرے سے کافی مطمئن نظر آ رہا تھا۔ اس کے چہرے کی سختی کافی حد تک کم تھی مگر وہ سنجیدہ ترین لہجے میں بول رہا تھا۔

مگر آئندہ آپ کو اس بارے میں اچھی طرح جانچ پڑتال کرنی ہے کہ ذوباریہ اگر کوئی چیز استعمال کرتی ہے تو اس سے اسے نقصان پہنچنے کا تو اندیشہ نہیں ہے۔ وہ پھر رک گیا۔

ماروی نے پہلی بار منہ کھولا "جی بہتر"۔

ہاشمی صاحب نے بتایا کہ آپ رات سے یہاں ہیں اور کچھ کھایا پیا بھی نہیں

۔۔۔۔ میں آپ کو خود کے ساتھ اس قسم کی زیادتی کرنے کی اجازت ہرگز نہیں دے سکتا۔۔۔۔اٹھیے۔۔۔۔وہ اٹھتا ہوا بولا تھا۔

مگر ڈوہا ریہ وہ سادگی سے بولی۔

وہ ہوش میں آ چکی ہے مگر نیند کا انجیکشن دے کر پھر سلا دیا ہے۔ بچی ہے اس لئے تکلیف برداشت نہیں رہی۔۔۔۔وہ سادگی سے بولا تھا۔

ماروی نے سکھ کا سانس لیا۔

آیئے۔۔۔۔طاؤس نے کہا اور آگے چلنا شروع کیا۔

ماروی مشینی انداز میں اس کے پیچھے چلتی ہوئی آ گئی۔

اس نے اپنی گاڑی کا دروازہ ماروی کے لئے کھولا تو وہ ایک لمحے کو ہچکچائی۔

بیٹھیے۔۔۔۔اس کے لہجے میں حکم تھا۔

ماروی کے لئے انکار کی گنجائش نہ تھی وہ بیٹھ گئی۔

طاؤس مڑا اور قریب موجود ایک ڈرنک کارنر کی طرف بڑھ گیا واپسی پر اس کے ہاتھ میں جوس کے دو ٹن تھے اس نے ایک ٹن کھٹکے کے ساتھ کھولا اور بغیر کچھ بولے ماروی کی طرف بڑھا دیا۔ ماروی نے ہچکچاتے ہوئے اسے پکڑ لیا۔ وہ دوسری طرف آ کر گاڑی میں بیٹھ گیا۔ دوسرا ٹن ڈیش بورڈ پر رکھ دیا۔

یہ ختم کر کے دوسرا بھی آپ کو پینا ہے۔۔۔۔اس کے لہجے میں ازلی حکم تھا۔

جی۔۔۔۔ماروی کو اس کی بات سے زیادہ اس کے سخت لہجے پر حیرت تھی۔ وہ پل پل پر موڈ بدلنے میں ماہر تھا۔

حیران کیوں ہیں آپ؟ طاؤس گاڑی اسٹارٹ کرتا ہوا بولا۔

نہیں تو۔۔۔۔میں تو۔۔۔۔ماروی اٹکنے لگی۔

میرا خیال ہے صبح اسپتال میں آپ کو میں نے ڈانٹا تھا جو غلط تھا۔ غلطی ڈوباریہ کی تھی میں کسی سے معافی نہیں مانگتا اور خاص طور پر اپنے اسٹاف سے۔۔۔۔وہ اسی انداز میں بولا۔

ماروی نے جو گھونٹ ابھی لیا تھا وہ اس کے گلے میں اٹکنے لگا۔ طاؤس پل میں ہی

دوسرے کو اس کی حیثیت یاد کروانے کا فن جانتا تھا۔ ماروی نے نظریں سامنے سڑک پر مرکوز کر رکھی تھیں۔

میرا یہ رویہ شاید معافی کی کوئی صورت ہو مگر معافی نہیں۔۔۔۔ بحرحال اب وہ ٹھیک ہے جلد گھر آ جائے گی فکر کی ضرورت نہیں۔۔۔ اس کا پورا انہماک گاڑی چلانے پر تھا۔

ماروی نے ہلکا سا سر ہلایا اور خاموش رہی۔ گاڑی گھر کی طرف ہی جا رہی تھی مگر راستے میں ایک گھر کے آگے طاؤس نے گاڑی روک دی، ہارن بجایا چوکیدار نے باہر جھانکتے ہی گیٹ کھول دیا۔ طاؤس گاڑی کو اندر لے گیا۔ علاقہ کافی پوش تھا اور جس گھر میں گاڑی داخل ہوئی تھی وہ بھی بہت خوبصورت اور قابل تعریف نظر آ رہا تھا۔ طاؤس ماروی کو کچھ کہنے بتانے کی ضرورت نہ سمجھتے ہوئے گاڑی سے اتر کر گھر کے اندر داخل ہو گیا۔

ماروی اکیلی گاڑی میں بیٹھی رہی تقریباً پندرہ منٹ بعد جب ماروی نے سوچا ہی تھا کہ اتر کر چوکیدار سے طاؤس کا پتہ کرے کہ وہ باہر آتا دکھائی دیا۔ اس کے ساتھ ایک نہایت حسین لڑکی بھی تھی۔ وہ نازک سی لڑکی طاؤس کے ساتھ کھڑی بے حد پیاری لگ رہی تھی۔ اس کی سرمئی آنکھیں اور سنہرے بال کسی اور دنیا کی مخلوق بتا رہے تھے۔ میدے جیسی کھلتی ہوئی رنگت اور شوخ انداز دونوں ساتھ کھڑے بہت بھلے لگ رہے تھے وہ مسکراتے ہوئے باتیں کرتے ہوئے باہر آ رہے تھے۔ ماروی کی نظریں ان دونوں پر تھیں۔

کیا وہ دعا تھی؟۔۔۔ ماروی نے دل میں سوچا۔۔۔ حسد کی لہر نجانے کہاں سے دل میں تیر کی طرح اترتی چلی گئی۔۔۔۔ اس نے گھبرا کر منہ پھیر لیا۔۔۔۔ دوبارہ دیکھا تو دونوں کافی قریب آ چکے تھے۔ دونوں نے ایک دوسرے کو الوداعیہ نظروں سے دیکھا اور طاؤس واپس گاڑی میں بیٹھ گیا۔ ماروی اس پل اپنی وہاں موجودگی کو بے معنی اور فضول خیال کر رہی تھی۔ طاؤس کے چہرے پر نور اور رنگ پھوٹ رہے تھے ان سے ثابت ہو رہا تھا کہ وہ دعا کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔ طاؤس نے گاڑی واپس موڑ لی اور

گیٹ بند ہو گیا۔

وہ باقی راستے خاموش رہا مگر ایک مخصوص مسکراہٹ اس کے چہرے پر سج گئی تھی جسے ماروی خال خال ہی دیکھتی تھی۔

ڈی زیڈ ہاؤس کے اندر گاڑی رکتے ہی طاؤس نے کہا میں اسپتال جا رہا ہوں آپ اپنا حلیہ درست کر لیں میں یہ تنبیہ شاید پہلے بھی کر چکا ہوں ــــ اس نے مغرور لہجے میں کہا اور گاڑی موڑ کر لے گیا۔

ماروی اس کے انداز پر پیر پٹختی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی۔

ذوباریہ گھر آ گئی وہ تیزی سے صحت یاب ہو رہی تھی اور ماروی نے بھی اس کی دیکھ بھال میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ دن آہستہ آہستہ کچھوے کی چال کی مانند رینگ رہے تھے ذوباریہ تندرست ہو گئی اور پھر سے اسکول جانے لگی تھی۔ ماروی حتیٰ الامکان خود کو ذوباریہ کے کاموں میں مصروف رکھتی تھی۔ طاؤس سے نظریں ملتیں تو نہ تو وہ اپنی سرعت میں ماروی پر دھیان دے سکتا اور نہ ماروی اس کے سامنے ٹھہرتی تھی جانے کیوں دل خوش فہم نے ہر امید کا بندھن توڑ ڈالا تھا اب تو اسے یہ بھی پرواہ نہیں رہی تھی کہ وہ ایک بار ماروی کی جانب مسکرا کر دیکھ لے۔ اتنا ضرور تھا کہ دل کے اندر کی دنیا میں چہل پہل ختم ہو کر رہ گئی تھی۔ صدف یا انیتا کے فون چند لمحوں کے لئے ذہن کو تر و تازہ ضرور کر دیتے مگر پھر وہی خاموشی چھا جاتی۔ ذوباریہ کی میٹھی مسکراہٹ شاید ماروی کو زندہ رکھے ہوئے تھی۔ طاؤس اپنی مصروفیات میں بے حد مطمئن نظر آتا تھا۔ جس دن ماروی نے ہاشم صاحب کی زبان سے طاؤس اور دعا کی عنقریب شادی کی خبر سنی تھی تو وہ کچھ بول نہیں سکی تھی وہ سارا دن اس نے ذوباریہ کے ساتھ مسکراتے ہوئے گزارا تھا جانے کیوں اس مسئلے پر سوچنے کو بھی دل گوارا نہ کر رہا تھا۔

اس دن وہ ذوباریہ کو اسکول چھوڑ کر واپس آئی تھی کہ اسے بہت دنوں بعد اعتذار کا خط ملا جو ماروی کو خزاں کی رت میں بہار کا جھونکا محسوس ہوا۔

ڈیئر ماروی!!

تم نے جو کرنا تھا کر لیا اس کے لئے پریشان ہو کر بھی دیکھ لیا۔ اس کے لئے آنسو

بہانے اس کے تیز لہجے کو بھی برداشت کرلیا اور سخت رویہ کو بھی مگر تمہیں کیا ملا۔ اب تو جان گئی ہو گی کہ یہ طاؤس خان تمہارے قابل نہیں ہے۔ کاش ماروی میں اس سلسلے میں تمہاری کوئی مدد کرسکتا۔ کیونکہ یہ دکھ تو صرف وہ جان سکتا ہے جو خود اس آگ میں جلا ہو۔ اور تم تو جانتی ہو کہ میں بے بس و مجبور بھی تمہاری طرح تمہاری محبت میں گرفتار ہونے کے باوجود تم کو پا نہیں سکتا۔ تم میرے لئے دعا کرو میں تمہارے لئے دعا کروں گا۔ دیکھتے ہیں کس کی دعا میں زیادہ اثر ہے۔

فقط اسفند یار۔

وہ اسفند کے اس خط سے اور پریشان ہو گئی تھی اسفند اس کے اس قدر قریب تھا کہ سب جانتا تھا۔ اس کے ذہن میں ڈر بیٹھ گیا کہ وہ کیسے یہ سب جان لیتا ہے۔ یہ سب اس کے لئے حیرت کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ وہ بہت دیر تک اس تحریر کو غور سے دیکھتی رہی جس نے اسے ایک انوکھی حیرت میں ڈال دیا تھا۔ انیتا، صدف اور ماروی کے علاوہ یہ بات اور کوئی بھی نہیں جانتا تھا پھر اسفند کو اتنی بڑی حقیقت کا کیسے پتا چلا، یہ بات ماروی کے لئے ناقابل تسلیم اور ڈرا دینے کی حد تک خوفناک تھی۔ اس نے گھبرا کر پہلی بار اسفند کا خط پھاڑ ڈالا تھا اور خود کو دوسرے کاموں میں مصروف کرلیا۔ وہ اندر سے ڈر گئی تھی اگر یہ بات اسفند جان سکتا تھا تو کوئی بھی جان سکتا تھا اور کوئی بھی جان سکتا تھا تو طاؤس بھی اس کوئی میں شامل ہو سکتا تھا۔ اس سے آگے اس نے سوچنا بند کردیا۔

ایک دن ذوبار یہ اسکول سے واپس آئی تو اس نے سرسری طور پر ماروی کو بتایا کہ آج اس کی سالگرہ ہے۔

کیا!۔۔۔کیا کہا۔۔۔آج تمہاری سالگرہ ہے۔۔۔اور تم اب بتا رہی ہو؟ ۔۔۔ماروی حیرت سے بولی۔

کیوں میڈم کیا کوئی غلط بات ہے۔۔۔ذوباریہ سادگی سے بولی۔

ذوبا! سالگرہ منائی جاتی ہے، کیک کاٹتے ہیں۔۔۔دعائیں دیتے ہیں۔۔۔ اور تم نے بالکل چھپالیا۔۔۔ارے بھئی تمہاری سالگرہ تو دھوم دھام سے ہونی چاہئے ۔۔۔کیا تمہارے آغا کو بھی یاد نہیں ہوگا۔ ماروی نے سوال کیا۔

انہیں تو یاد ہوگا۔۔۔۔۔مگر میڈم جب سے آقا گئے ہیں اس گھر میں کوئی خوشی نہیں آئی دو ماہ پہلے آقا کی سالگرہ تھی برادر کیک بھی لائے تھے مگر آقا نے نہ کاٹا۔ بس اچھا ہی نہیں لگتا۔۔۔۔۔ذوباریہ کی آنکھوں میں طہماس کے ذکر سے نمی سی تیر گئی۔

ماروی اس کی باتوں پر دکھی ہو گئی چھوٹی سی عمر میں بھی اسے وہ دکھ سہنا پڑا تھا جس کا مزہ ماروی نے چکھا تھا۔ ماروی کو اس سے بہت ہمدردی محسوس ہوئی۔

دراصل ہمیں آقا کی عادت ہے نا۔۔۔۔۔عید بھی آقا کے بغیر بہت مشکل سے گزری تھی وہ بہت زیادہ یاد آئے تھے وہ میری سالگرہ، اپنی سالگرہ اور آقا کی سالگرہ بہت دھوم دھام سے مناتے تھے، بہت سارے لوگوں کو بلاتے تھے۔۔۔۔۔آج پہلی بار اس دکھ پر ذوباریہ کی معصوم اور حسین آنکھیں جن میں وہی چمک تھی جو طاؤس کی آنکھوں میں تھی پانی سے بھر گئیں۔

ماروی نے اسے اپنے کاندھے سے لگا لیا ماروی کی یادیں بھی تازہ ہونے لگیں مگر وہ سر جھٹک کر تیزی سے بولی نہیں ذوبا۔۔۔۔۔رونا مت۔۔۔۔۔اس نے اس کے ماتھے پر پیار کیا اور اپنی بانہوں میں بھر لیا۔ مت رونا دیکھو اگر ہم گزرے ہوئے وقت کو نہیں بھلائیں گے، گزرے ہوئے دنوں کی تلخیوں کو ذہن میں بٹھا کر رکھیں گے تو آنے والے دن خوبصورت کیسے ہو پائیں گے، جانتی ہوں کہ بھلانا بہت مشکل ہے مگر یہ جتنا مشکل ہوتا ہے اتنا ہی ضروری بھی ہوتا ہے۔ ماروی اپنے تجربے کی بنیاد پر ذوبا کو سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی اور ذوباریہ سمجھ اور نا سمجھی کی سیڑھیوں پر قدم رکھے ہاں اور نہیں کی کیفیت میں خاموش تھی۔

اور پھر تم تو اتنی چھوٹی ہو تمہارے آقا کو خاص طور پر تمہارا خیال رکھنا چاہیے، تمہاری ہر خوشی کا خیال رکھنا چاہیے ماروی سب باتوں کو نظر انداز کر کے بولی۔ وہ تو وہ رکھتے ہیں۔۔۔۔۔مگر آقا کے بغیر اچھا نہیں لگتا۔۔۔۔۔ذوباریہ سادگی سے بولی۔

ذوبا میری جان۔۔۔۔۔کاش میں تمہیں سمجھا سکتی، ہم کیسے کیسے پیاروں کو کھو دیتے ہیں۔ اگر روتے رہیں یا ان کے ساتھ چلے جانے سے کام بن جاتا تو دنیا کب کی ختم ہو چکی ہوتی۔ اور یہ تو وقت ہمیں سکھا ہی دیتا ہے کہ کسی کے بغیر کیسے زندہ رہتے ہیں، لیکن

دیکھو آج کے دن میں تمہیں رونے نہیں دوں گی۔۔۔۔ جلدی سے مجھے فیس کے دکھاؤ ماروی ایک دم موڈ بدل کر بولی۔

ذوبار یہ نے کوئی جواب نہ دیا۔

اربے بابا۔۔۔ ہنسو نا۔۔۔۔ نینئر اپ۔۔۔ چیئر اپ لم آن۔۔۔۔ ماروی اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتی ہوئی بولی۔ اب اس کے چہرے پر شرارت در آئی تھی۔

جواباً ذوبا ہنس پڑی تھی اس کی ایک مسکراہٹ نے جیسے ماروی کے جسم میں نئی زندگی بھر دی۔ ذوبار یہ کے ٹیچر اسے پڑھانے آئے تو ماروی نے ذوبا کے کہنے پر انہیں آج کی چھٹی کا کہہ دیا اور ذوبار یہ کے ساتھ مل کر سالگرہ منانے کی پلاننگ کرنے لگی۔ دراصل وہ ذوبار یہ کے ساتھ مل کر یہ سالگرہ منا سکتی تھی مگر اس کے خیال میں ذوبا کے ذہن سے تلخ یادوں کو مٹانے کے لیے یہ ضروری تھا کہ طاؤس اس کی سالگرہ میں موجود ہوتا۔ اسی لئے اس نے ذہن میں فوراً فیصلہ کرلیا کہ طاؤس کو کس طرح بلایا جائے۔

ذوبا تم اپنے آ کا کو فون کر کے بلالو باقی سارا انتظام میں کر لیتی ہوں۔۔۔۔ ماروی نے اپنا فیصلہ سنایا۔

فون میں کروں!۔۔۔ نہیں آپ کریں۔۔۔۔ آپ کی بات مان لیں گے۔۔۔ ذوبار یہ جلدی سے بولی۔

میری!۔۔۔۔ بھلا میری کیسے مانیں گے؟۔۔۔ ماروی ماتھے پر بل لا کر بولی۔

آپ بڑی ہیں نا۔۔۔۔ ذوبار یہ نے جلدی سے کہا۔

نہیں نہیں میں فون کیسے کرسکتی ہوں، ماروی ہچکچتی ہوئی بولی۔

تو پھر چھوڑیں نا کیا ضرورت۔۔۔۔

ماروی چند ثانیے بعد رضا مند ہوگئی۔ وہ ہر طرح سے ذوبار یہ کو آج کے دن خوش دیکھنا چاہتی تھی۔

ذوبا نے جلدی سے فون اٹھا کر ماروی کے سامنے رکھ دیا۔ وہ اس وقت ماروی کے کمرے میں ہی تھی دونوں بیڈ پر بیٹھی تھیں۔ ماروی نے ریسیور کان سے لگایا اور وہ بیڈ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی ذوبار یہ نے فون اٹھا کر اپنی گود میں رکھا اور ماروی کے برابر بیٹھ کر

نمبر ملانے لگی۔

اب ماروی کا دھیان بیل پر تھا۔ دو تین بیل کے بعد کسی نے فون اٹھایا آواز لڑکی کی تھی۔ ہیلو۔ ٹی زیڈ انڈسٹریز کوئی لڑکی ہے ماروی نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر ذوباریہ سے کہا۔

آ کا کی سیکریٹری ہیں، بینا، بولیں طاؤس خان سے ملا دیں۔۔۔۔ ذوباریہ جلدی سے بولی۔ ماروی نے اثبات میں سر ہلایا۔

ہیلو۔۔۔۔ دوسری طرف سے دوبارہ کہا گیا۔

ہیلو۔۔۔۔ ماروی دھیمے لہجے میں بولی۔

جی۔۔۔۔ مے آئی نو ہوز سپیکنگ۔۔۔۔۔ وہ بھی حلیم لہجے میں بول رہی تھی۔

مجھے طاؤس صاحب سے بات کرنی ہے۔

آپ کا نام میڈم۔۔۔۔ اس نے پھر سوال کیا۔

میں۔۔۔۔ ماروی نے سوالیہ لہجے میں ذوبا کو دیکھا۔

کہہ دیں، ماروی بول رہی ہوں۔۔۔۔ ذوباریہ تیزی سے بولی۔

میں ماروی بات کر رہی ہوں۔۔۔۔ ماروی مشینی انداز میں بولی۔

آپ ہولڈ کریں۔۔۔۔ جواب ملا۔

دوسری طرف چند ثانیے خاموشی رہی پھر وہی آواز سنائی دی۔

مس ماروی بات کیجئے بینا نے کہا اور فون رکھ دیا۔

اب طاؤس لائن پر تھا۔

ہیلو۔۔۔۔ طاؤس کی سخت آواز ماروی کے کانوں میں پڑی۔

شاید روز صبح کریلوں کا جوس پیتے ہیں۔۔۔۔ ماروی نے جل کر سوچا اور ناک سکیڑ کر بولی۔ ہیلو۔

یہاں کس لئے فون کیا ہے۔ گھر پہ بات نہیں ہوسکتی تھی۔۔۔۔ وہ اسی لہجے میں سوال کر رہا تھا۔

جی نہیں ہوسکتی تھی۔۔۔۔ ماروی بھی لہجے میں تلخی لا کر آہستہ سے بولی۔

ذوباریہ کے چہرے پر ماروی کے لہجے کو سن کر سوال ابھر آئے تو ماروی کو اپنا لہجہ بدلنا پڑا۔ دوسری طرف سے طاؤس کہہ رہا تھا۔

تو پھر جلد فرما دیجئے مجھے یہاں بہت سے کام ہیں۔

آج ذوباریہ کی سالگرہ ہے۔۔۔۔۔ماروی مدعا زبان پر لے آئی۔

اطلاع دے رہی ہیں یا یاد کروا رہی ہیں؟۔۔۔۔۔وہ سوالیہ لہجے میں پھر تیزی سے بولا۔

میں نہیں جانتی کہ آپ کو یاد ہے یا نہیں اگر یاد نہیں ہے تو یہ اطلاع ہے اور اگر یاد ہے تو پھر سوال ہے کہ آپ آفس میں کیا کر رہے ہیں۔۔۔۔۔ماروی آہستہ آہستہ بول رہی تھی۔

مس ماروی یہ بات مجھے پسند نہیں ہے۔

آئندہ خیال رکھیے گا۔۔۔۔۔وہ پھر جلا دینے والے لہجے میں بولا جانے اسے خود سے دشمنی تھی یا زمانے سے۔

میرا خیال تھا کہ آپ اس سالگرہ کو دھوم دھام سے منائیں گے۔۔۔۔۔ماروی اصل بات زبان پر لے آئی۔

ایسا نہیں ہوسکتا۔۔۔۔۔دوسری طرف سے اٹل لہجے میں جواب ملا۔

کیوں نہیں ہوسکتا ایک ہی تو بہن ہے آپ کی۔۔۔۔۔

بات ایک یا دس کی نہیں ہے ماروی، بات اس قسم کی ہے جو میں نے کھائی تھی۔ اس گھر میں طہماس کے قاتل کو سزا دلوانے سے پہلے کوئی خوشی نہیں آسکتی۔وہ ایسے کاٹ دار لہجے میں بولا تھا کہ ماروی دم بخود رہ گئی۔

مگر اس بے چاری بچی کا کیا قصور ہے، اس کی خوشی بڑے نہ سہی چھوٹے پیمانے پر تو منائی جا سکتی ہے۔ آپ اس کے لئے کیک لے آئیں وہ خوش ہو جائے گی۔ ویسے بھی بچوں کو زیادہ دیر تک اداسی کے موسم میں نہیں رہنے دینا چاہئے، پھول کملا جاتے ہیں۔ ماروی دھیمے سے بول رہی تھی۔

ماروی آپ کو جو حقیقت میں نے بتائی ہے اسے ہمیشہ اس وقت تک یاد رکھیے گا

جب تک آپ ذوباریہ کے ساتھ ہیں یائی زیڈ ہاؤس میں رہ رہی ہیں۔ یہ حقیقت آپ تک اس لئے پہنچائی گئی ہے کہ آپ کو اس بات کا احساس رہے کہ طاؤس یائی زیڈ ہاؤس کوئی مردہ خانہ نہیں ہے جہاں کوئی خوشی نہ منائی جاتی ہو۔ مگر فی الحال خوشیاں حرام ضرور کر دی گئی ہیں۔ اور ایسا جس نے کیا ہے نا اسے اس کے انجام تک پہنچانے کے بعد ہی طاؤس کو سکون آئے گا۔۔۔۔ طاؤس چند لمحے رکا، نہ جانے اس کے کیا احساسات تھے پھر اس نے فون رکھ دیا۔ بغیر ماروی کی بات کو اہمیت دیئے، وہ فون رکھ چکا تھا۔

ماروی اپنی جگہ بیٹھی سن سی ہو گئی تھی۔ اسے شمائل کی کہی بات یاد آ گئی۔ اتنا حسین چہرہ ہو تو دکھ صرف سہنے والوں کو ہی نہیں دیکھنے والوں کو بھی بار محسوس ہوتے ہیں۔ نہ جانے اس وقت طاؤس کس کے سامنے بیٹھا تھا؟ جو وہ ماروی سے ایسی باتیں کہہ گیا۔ وہ باتیں جو بہت اندر کی تھیں۔ وہ جو سراپا راز تھا۔ اس کا ہنسنا بولنا اس کا اٹھنا، بیٹھنا، کھانا، پینا، سونا، جاگنا سب ماروی کے لئے اس کے گھر میں رہتے ہوئے بھی ایک راز سے کم نہ تھا۔ مگر آج وہ ان تمام باتوں سے کہیں زیادہ اہم بات ماروی سے کہہ گیا تھا۔ طہماس کے قتل کی بات تو ہاشمی صاحب بھی بہت بعد میں جان پائے تھے۔ کوئی بھی نہیں جانتا تھا کہ طاؤس اپنے دل میں طہماس کے قاتلوں کا زخم لئے پھر رہا ہے اور آج اس نے ماروی کو ماروی کہہ کر ہی بات کی تھی۔ مس ماروی نہیں کہا تھا۔ مگر سب سے حیرت انگیز بات یہی تھی کہ نہ جانے اس کے اس وقت کیا احساسات تھے جو وہ اس قدر اندر کی بات ماروی سے کہہ گیا تھا۔ اس کا دل کس قدر دکھا ہوا تھا جانے وہ کیا سوچ رہا تھا کہ ماروی سے وہ سب کہہ گیا جو دوسرے لوگ بھی نہیں جانتے تھے۔ وہ تو ماروی سے اپنی عام بات بھی نہیں کرتا تھا۔ ماروی کو اسی بات پر حیرت تھی۔ آخر کوئی وجہ ضرور تھی ماروی کا اپنا دل نہ صرف دکھ سے بھر آیا بلکہ وہ پریشان بھی ہو گئی، طاؤس پریشانی میں تھا تو اسے چین کہاں سے آتا۔ اس نے فون رکھ دیا۔

کیا ہوا میڈم۔۔۔۔ کیا کہا آ کا نے؟۔۔۔۔ ذوباریہ جلدی سے بولی۔

ماروی اپنی ہی سوچوں میں تھی اس نے ذوباریہ کا سوال نہ سنا۔

میڈم۔۔۔۔ ذوباریہ اپنا معصوم سا ہاتھ ماروی کے ہاتھ پر رکھ کر بولی۔

ماروی چونک اٹھی ہاں۔

کیا ہوا؟۔۔۔۔ وہ پھر بولی۔

کچھ نہیں۔۔۔۔ وہ طاؤس۔۔۔۔ نہیں وہ تمہارے آکا کہہ رہے ہیں کہ وہ رات کو دیر سے آئیں گے کچھ میٹنگ وغیرہ ہے۔ تو کیا ہوا زوبیا ہم دونوں مل کر تمہاری سالگرہ سیلیبریٹ کریں گے۔ ٹھیک ہے نا۔۔۔۔ ماروی اپنے خیالات سے واپس آ گئی۔

آکا کے بغیر۔۔۔۔ زوباریہ اداس ہو گئی۔

انہیں وقت ملے گا تو وہ بھی آ جائیں گے۔

تم اداس کیوں ہوتی ہو۔۔۔۔ بھئی ہم خود جا کر آپ کے لئے کیک لے کر آئیں گے۔

ٹھیک ہے۔۔۔۔ ماروی مسکرا کر بولی۔

آکا ناراض تو نہیں ہوں گے؟۔۔۔۔ زوبا پھر اداسی سے بولی۔

ناراض کیوں ہوں گے؟۔۔۔۔ ذرا ناراض ہو کر تو دیکھیں۔۔۔۔ میں انہیں ایسی کھری کھری سناؤں گی کہ وہ اپنی ساری اکڑفوں بھول جائیں گے۔۔۔۔ بھئی طرم خان ہوں گے تو اپنے آفس میں یہاں نہیں چلے گا۔ ماروی انداز سے بھاری آواز میں بولی تو زوباریہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

تو چلیں؟۔۔۔۔ ماروی نے پھر سوال کیا۔

چلیں۔۔۔۔ زوباریہ جلدی سے کھڑی ہو گئی۔

ماروی نے زوباریہ کے ساتھ اس کی پسند کا کیک خریدا اور اپنی طرف سے اس کے لئے تحفے کے طور پر چاکلیٹ خریدے۔ شام کے سات بجے ماروی زوباریہ کے لئے کپڑے نکال رہی تھی بہت پیاری سفید فراک وہ مینا کو دے کر اسے تیار کرنے کا کہہ کر لان میں آ گئی۔ لان میں اداسی ضرور تھی مگر موسم بہت کھلا کھلا تھا چاروں طرف کھلے پھولوں کی مدہوش خوشبو نے اس ٹھنڈے اور خوبصورت موسم میں رنگ سے بھر رکھے تھے۔ وہ لان میں چائے لگانے کا کہہ کر خود بھی تیار ہونے چلی آئی۔

آج اس نے بہت دنوں بعد اپنا پسندیدہ رنگ پہنا تھا۔ یہ سوٹ اس نے اس

وقت جب ماروی ذوباریہ کو شاپنگ کروانے گئی تھی خریدا تھا۔ اچانک اسے یاد آیا کہ اس نے بھی تو طاؤس کو وہ نیلا کرتا تحفے کے طور پر بھیجا تھا۔ مگر پتہ ہی نہیں چل سکا کہ وہ طاؤس نے رکھ لیا تھا یا پھنکوا دیا تھا۔ کیونکہ ذوباریہ کی بیماری میں وہ اس طرف دھیان ہی نہ دے سکی تھی۔ وہ سر جھٹک کر تیار ہونے چل دی۔ اس کے بے حد خوبصورت نیلے سوٹ پر سفید کامدانی نیلے آسمان پر ستاروں کی طرح جھلملا رہی تھی۔ ساتھ ہی اس نے چاندی کے دو آویزے بھی پہن لئے جن میں نیلے پتھر جڑے تھے۔ یہ آویزے بھی اسے اچانک ہی نظر آگئے تھے اور اس نے جھٹ خرید لئے تھے۔ اپنے بالوں کی سادی سی چٹیا گوندھ کر بہت ہلکے سے میک اپ کے ساتھ جب وہ لان میں آئی تو ذوباریہ اور بینا وہیں موجود تھی۔ لان کی بہت ساری لائٹیں روشن تھیں۔ تالاب میں شاور چل رہا تھا۔ گلابی موسم بہت حسین لگ رہا تھا۔

میڈم آپ بہت اچھی لگ رہی ہیں ذوبا ستائش بھری نظروں سے اسے دیکھتی ہوئی بولی۔

اچھا۔۔۔۔۔نہیں بھئی۔۔۔۔۔ماروی نے شرارت سے کہا۔

نہیں میڈم سچ کہہ رہی ہوں۔۔۔۔۔ذوباریہ جلدی سے بول اٹھی۔

ہاں بی بی۔۔۔۔۔بے بی ٹھیک کہہ رہی ہیں۔۔۔۔۔ماشا اللہ خدا بری نظر سے بچائے۔۔۔۔۔بینا بھی پرستائش نظریں لئے اس کی تعریف کرنے لگی۔

اچھی تو میری ذوبا بھی بہت لگ رہی ہے۔ اور ویسے بھی ذوبا کی برتھ ڈے ہو اور میں اچھی نہ لگوں یہ بھلا کیسے ہو سکتا ہے۔۔۔۔۔ماروی خوشگوار لہجے میں مسکرا کر بول رہی تھی۔

ذوباریہ جوابا مسکرا اٹھی تھی اس کی آنکھوں میں مسرت بھرا اطمینان جھلک رہا تھا۔ یہی تو ماروی دیکھنا چاہتی تھی۔ چلو اب کیک کاٹ لیں؟۔۔۔۔۔ماروی کرسی پر بیٹھتی ہوئی بولی۔

چلیں۔۔۔۔۔ذوباریہ دلچسپی سے بولی۔

تم بھی بیٹھ جاؤ بینا۔۔۔۔۔ماروی نے کھڑی ہوئی بینا سے کہا۔

نہیں پی اینی مجھے کچن میں کام ہے۔۔۔۔ہاں مگر میں ابھی واپس آ کر کیک ضرور کھاؤں گی۔۔۔وہ بھی مسکرا کر بولی ماروی نے اثبات میں سر ہلایا۔ مینا چلی گئی اور ماروی نے کیک پر لگی موم بتی جلائی۔ ذوہاریہ نے پھونک ماری، کیک کاٹا اور ماروی نے تالی بجا کر اسے کھلے دل سے وش کیا۔

ارے تمہارا چاکلیٹ گفٹ تو اپنے کمرے میں بھول آئی۔تم بیٹھو ابھی لاتی ہوں۔۔۔ماروی کو اچانک یاد آیا تو وہ فوراً اٹھ گئی۔

آہستہ آہستہ چلتی ہوئی برآمدے عبور کر کے وہ اپنے کمرے میں آئی چاکلیٹ اٹھائے اور لان میں واپس آ گئی لیکن واپس آنے پر اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا۔ ذوہاریہ وہاں موجود نہ تھی۔البتہ وہ کیک میز پر ویسے ہی رکھا تھا اور ایک کرسی پر طاؤس بیٹھا تھا ساتھ ہی کوئی دوسرا شخص بھی موجود تھا۔ کھلتی ہوئی گندمی رنگت، گھنگریالے سیاہ بال، دراز قد اور روشن چہرے کے ساتھ وہ طاؤس سے بہت بے تکلفی سے باتوں میں مصروف تھا۔ ماروی چاکلیٹ کا پیکٹ پکڑے آہستہ آہستہ چلتی ان کے قریب آ گئی۔ ماروی کے چہرے پر حیرت موجود تھی۔طاؤس اسے دیکھ کر اپنی جگہ سے نہ ہلا البتہ اس کی نظریں ماروی کے چہرے پر تھیں اور دوسرا شخص اٹھ کر چند قدم چل کر ماروی کے قریب آ کھڑا ہوا۔ آپ۔۔۔اس نے حیرت سے ماروی کے حسین چہرے کو دیکھ کر کہا۔

ماروی مخمصے میں تھی کیونکہ وہ اس شخص کو جانتی بھی نہیں تھی۔اسے طاؤس پر بھی حیرت تھی کہ کم از کم وہ ان کا تعارف تو کروا ہی سکتا تھا۔ مگر نہ جانے کیوں وہ خاموش بیٹھا تھا۔اسی اثنا میں وہ شخص دوبارہ بول اٹھا" کیا آپ آسمان سے تشریف لائی ہیں؟"۔

جی۔۔۔ماروی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔اس کی آنکھوں میں حیرت کے ساتھ ساتھ شرارت کی چمک بھی تھی آسمان سے نہیں تو آپ چاند سے ضرور آئی ہیں، ایم آئی رائٹ؟وہ پھر بول اٹھا۔

ماروی خاموش رہی اب کی بار اس نے تیز نظروں سے طاؤس کو دیکھا۔

ارے محترمہ یہ طاؤس بہت بدذوق انسان ہے۔آپ کو بھی پوری دنیا میں لینڈ کرنے کے لئے بس یہی زید ہاؤس ہی ملا تھا۔جناب وہائٹ ہاؤس پر لینڈ کیا ہوتا، کرنا

تھا تو بھنبھم پیلس پر لینڈ کیا ہوتا۔ جو آپ کے شایان شان تو ہوتا۔۔۔۔۔ یہ جگہ آپ کو کچھ جچی نہیں۔ وہ پھر خوشگوار لہجے میں مخصوص مسکراہٹ لئے بول رہا تھا۔

آپ کیا کہہ رہے ہیں مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا؟۔۔۔۔ ماروی نے سادگی سے نظریں جھکا کر کہا مگر وہ اس شخص کی ہر بات سمجھ رہی تھی جو موتیوں کے سے الفاظوں میں اس کے حسن کے قصیدے پڑھ رہا وہ قصیدے جو صرف شائل اور اعتبا پڑھا کرتی تھیں جو اوپری نصب پڑھا کرتی تھی۔ مگر جس کی زبان سے ماروی کو سننے کی تمنا تھی وہ ہمیشہ اتنا خاموش رہتا تھا کہ اسے ماروی کے حال کی بھی پرواہ نہیں تھی۔

موسیٰ واپس آ جاؤ۔۔۔۔ تم نہیں جانتے یہ اس گھر میں کام کرتی ہیں۔۔۔۔ ذوباریہ کی کورکن ہیں۔

طاؤس کی تیز آواز پیچھے سے ابھری تھی اور ماروی کی خوبصورت سوچوں کا بھرم ٹوٹ گیا تھا مگر موسیٰ کے نام پر وہ چونک اٹھی تھی۔ تو یہ موسیٰ جعفری تھا۔ ذوباریہ کے برادر اور طاؤس وطہماس کا جگری دوست۔ اس لیے طاؤس کی کڑوی بات نے اسے دکھی تو کر دیا تھا۔ مگر وہ سچ ہی کہہ رہا تھا اس لئے ماروی نے اس کی بات کا برا نہ مانا اس کا اختیار اب اپنے دل پر اس قدر چلتا تھا کہ وہ ڈھنڈیا چھپ کر رونے والوں کی صف میں سب سے آخر میں کھڑی تھی جہاں وحشت اور محبت کا تانا بانا انسان کی مٹی میں گندھ جاتا ہے جو ایسا سبق پڑھاتا ہے جس کا مطلب ہمیشہ خاموش رہنا اور سب کچھ خاموشی سے سہنا ہوتا ہے۔

کام کرتی ہیں۔۔۔۔ کیا مطلب طاؤس؟ تمہیں پوری دنیا میں کام کروانے کو اور کوئی بھی نہیں ملا جو تم نے؟۔۔۔۔

ہم آ گئے۔۔۔۔ ذوباریہ کی آواز نے طاؤس کی بات کاٹ دی تھی ذوباریہ جو مینا کے ساتھ آ رہی تھی مینا کے ہاتھ میں بڑا کیک تھا جس پر بہت ساری موم بتیاں روشن تھیں۔ ماروی سمجھ گئی کہ یہ کیک طاؤس لایا ہے اس نے شکریہ کے انداز میں طاؤس کو دیکھا تو وہ کیک اور ذوباریہ کو بڑے انہماک سے دیکھ رہا تھا۔

ماروی کی نظریں تھم گئیں، حسین سے موسم میں وہ حسین اپنی سوچوں اور اپنی پر

غرور ذات کے ساتھ ہمیشہ جیسا بے درد دکھائی دے رہا تھا۔ بہت دنوں بعد اس نے طاؤس کو اس قدر انہماک سے دیکھا تھا وہ آج بھی ایسا ہی قاتل تھا جو پل میں قتل کر کے معافی حاصل کر سکتا تھا۔ اس کے حسن کا جادو ہی تو تھا جو ماروی آج تک اپنے دل سے نہ جیت سکی تھی۔ وہ خود بھی نہیں جانتی تھی کہ اس جادو کا کوئی توڑ تھا بھی یا نہیں اور اگر تھا بھی تو نہ جانے کیوں اس توڑ کو جاننے کا ماروی کا من ہی نہیں کرتا تھا۔ وہ بے سبب ایک ایسے سفر پر رواں دواں تھی جس کی منزل اس کے نزدیک کچھ نہیں مگر حقیقت کے پیش نظر اندھیری تھی۔ جہاں اکیلے پن اور تنہائی کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ دعا کا نام ماروی کے دل میں حسد کی کوئی چنگاری نہیں اڑاتا تھا۔ اسے دعا سے نفرت نہیں بلکہ مختلف قسم کی انسیت تھی۔ ایسا کیوں تھا یہ تو ماروی بھی نہیں جانتی تھی۔ اس عرصے میں ذوباریہ کیک ٹیبل پر رکھ چکی تھی۔ ماروی کا انہماک اس وقت ٹوٹا جب طاؤس نے اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تھا۔ وہ شاید کچھ کہنا چاہتا تھا مگر ماروی کی نگاہیں خود پر مرکوز دیکھ کر وہ خاموش ہو گیا ماروی جھینپ سی گئی۔ اسے زمین نہ ملی کہ وہ اس میں سما جاتی۔ شکر تھا کہ ذوباریہ نے اس کا بازو پکڑا اور معصومیت سے بولی۔

میڈم آپ کا کیک تو لے آئے مگر ہم تو کیک کاٹ چکے ہیں اب کیا کریں؟۔

کیا فرق پڑتا ہے ایک دفعہ پھر کیک کاٹ لو۔

اس طرح تو ہماری دو دو سالگرہ ہو جائیں گی؟۔ ذوباریہ معصومیت سے بولی۔

موسیٰ واپس بیٹھ چکا تھا۔ اب ان دونوں کی نظریں ماروی اور ذوباریہ پر تھیں۔

اس سے کیا ہوتا ہے اگر کوئی محبت سے آپ کے لئے کچھ لائے تو چاہے کتنی سالگرہ منانی پڑیں آپ کو انکار نہیں کرنا چاہئے۔ ماروی نے حلاوت سے اسے سمجھایا۔

یہ بھی ٹھیک ہے۔۔۔۔ ذوبا نے بات مانتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

تو پھر چلیں یہ کیک بھی کاٹ لیتے ہیں۔۔۔۔ ذوباریہ نے ماروی کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

نہیں ذوبا میں تھک گئی ہوں۔۔۔۔ ویسے بھی دن میں کافی سخت باتیں سنتی رہی ہوں۔ اس نے کن انکھیوں سے طاؤس کو دیکھا۔

تم جاؤ میں اپنے کمرے میں ہوں۔ وہ پلٹتے ہوئے بولی۔

اس سے پہلے کہ ذوباریہ کچھ بولتی طاؤس بول اٹھا۔ مس ماروی آپ کو اگر تکلیف نہ ہو تو چائے ہمارے ساتھ پی لیں۔ شاید وہ ذوباریہ کی ضد کو مزید بڑھانا نہیں چاہتا تھا۔ ماروی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اس کے چہرے پر ہمیشہ کی طرح سختی کے آثار تھے جو اس کی ذات کا خاصہ تھی ماروی خاموشی سے چلتی ہوئی ان کے قریب آ بیٹھی اور کیک ذوباریہ کے آگے کر دیا۔ ذوباریہ نے خوشی خوشی کیک کاٹا اور ماروی نے ان سب کے لئے چائے بنائی۔ طاؤس کے کپ میں چینی ڈالنے کے لئے اس نے اس کی طرف نظریں اٹھا کر دیکھا تو وہ نہ جانے کن سوچوں میں گم تھا۔ اس نے موسیٰ کو دیکھا تو وہ اشتیاق بھری نظروں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ موسیٰ کی شخصیت اس کے لبوں پر ہر دم کھلی رہنے والی مسکراہٹ کے باعث ماروی کو بہت اچھی لگی تھی۔

چینی۔۔۔۔ ماروی نے بھی مسکرا کر پوچھا۔

آپ اپنے ہاتھوں سے چائے بنائیں اور وہ پھیکی ہو یہ سراسر بکواس ہوگی۔۔۔۔ ایسے ہی دے دیں۔ موسیٰ ہاتھ بڑھا کر بولا تو ماروی نے کپ اسے تھما دیا۔

بک رہا ہے یہ۔۔۔۔ اس کی بیوی نے اس کی چینی بالکل بند کر رکھی ہے۔ طاؤس شاید اپنی سوچوں سے واپس آچکا تھا۔ بیچ میں بول اٹھا۔

یہ بیوی کا ذکر تم نے یہاں ضرور کرنا تھا؟ موسیٰ ناک سکیڑ کر اور جل کر بولا تھا۔

شادی کی ہے تو ذکر تو آئے گا۔ ویسے بھی تمہیں شادی کی بڑی جلدی پڑی تھی۔ اب بھگتو، طاؤس دھیمی مسکراہٹ لئے بول رہا تھا۔

اور ماروی کے لئے یہ لمحے خوشیاں خوشبوئیں اور پھول برسا گئے۔ ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ وہ اس کے سامنے بیٹھا تھا۔ خوش تھا مسکرا رہا تھا۔ اسے اپنے ساتھ چائے پینے کو کہا تھا اور سب سے بڑھ کر اس کے کہنے کے مطابق ذوباریہ کے لئے کیک لے آیا تھا۔ ماروی کو لگ رہا تھا جیسے اس کی روح جھوم جھوم کر ناچ رہی ہو۔ زندگی سے اس سے زیادہ کی تمنا کب تھی۔ وہ اس کی سنگت میں چند لمحے مسکرایا تھا۔ یہ اس کے لئے دنیا کا سب سے بڑا خزانہ تھا۔

ایس۔امتیاز احمد (کراچی)

قاتل روحیں۔۔۔!

بدروحیں مسلسل چیخ رہی تھیں اور ان کی آوازوں سے گردونواح کا سارا علاقہ لرز رہا تھا۔۔۔میں اندھادھند دریا کی طرف بھاگ رہا تھا۔۔۔اور خوفناک بدروح میرے تعاقب میں تھی۔۔؟

یہ پراسرار اور عجیب واقعات جس انداز میں شروع ہوئے وہ بجائے خود ایک معمہ ہے لوگوں میں ان واقعات کے بارے میں جس قدر غلط فہمیاں اور افواہیں مشہور ہیں انہیں دیکھتے ہوئے میرے لیے یہ ضروری ہوگیا ہے کہ میں تفصیل سے ان باتوں کو بیان کروں تاکہ اس اسٹوری کا صحیح رخ سامنے آسکے سب سے پہلے میرے بارے میں چند باتیں جان لیجیے کہ آغاز سے انجام تک اس ڈرامائی اور آسیب زدہ اسٹوری کا تعلق مجھ ہی سے ہے۔میں 35 سال کا ایک صحت مند اور مضبوط اعصاب رکھنے والا آدمی ہوں جب میں 10 سال کا تھا میرے والد دنیا سے رخصت ہوگئے اور اس کے اگلے برس والدہ چل بسیں۔میں اپنی ایک خالہ کے پاس چلا گیا جنہوں نے میری پرورش کی اور مجھے تعلیم دلوائی میرے والد کے ایک چھوٹے بھائی بھی تھے جنہیں میں نے اپنی زندگی میں صرف ۲ مرتبہ دیکھا کیوں کے وہ خاندان سے الگ ہوکر عرصہ دراز سے سندھ کے ایک دور افتادہ گاؤں میں مقیم تھے جو دریائے سندھ کے کنارے واقع ہے میرے ان چچا کا نام جمال تھا مجھے خوب یاد ہے کہ جب بھی میرے والدین یا فیملی ممبرز ان کا ذکر کرتے تو ان کے چہرے سنجیدہ ہوجاتے اور ان میں نفرت کے جذبات ابلنے لگتے۔وہ ان کے بارے میں عجیب و غریب باتیں کرتے جو میری سمجھ سے بالاتر تھیں۔۔۔؟ تاہم۔اتنا میں ضرور جان گیا تھا کہ وہ میرے چچا کو منحوس جادوگر یا



شیطان کہہ کر پکارا کرتے تھے میرے والد کی سخت ترین ہدایت تھی کہ خاندان کا کوئی فرد جمال سے تعلقات نہ رکھے کیونکہ اسے بدکردار اور بدنیت شخص سے کسی بھی وقت نقصان پہنچ سکتا ہے۔

چونکہ ابتداء ہی سے چچا کے بارے میں یہ باتیں میری کانوں میں پڑتی رہی تھیں اس لیے مجھے شعوری طور پر ان سے شدید نفرت ہو گئی کبھی کبھی میں سوچا کرتا کہ آخر یہ شخص کیسا ہو گا جس سے سبھی خوفزدہ اور ناراض ہیں۔۔۔کاش! میں انہیں دیکھ سکتا! مجھے گھر کے ایک پرانے نوکر کی زبانی پتہ چلا کہ چچا جمال کی ایک تصویر گھر کے کتب خانے میں موجود ہے لیکن اس کے دروازے پر ہر وقت ایک موٹا سا زنگ آلود قفل پڑا رہتا تھا۔ میں نے ایک روز والد صاحب کی کوٹ کی جیب سے چابیوں کا گچھا نکالا اور کتب خانے کا دروازہ کھولا اور اندر چلا گیا۔ کمرے میں بوسیدہ اور پرانی کتابوں کی بدبو چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی دیواروں پر ہمارے خاندان کے بزرگوں کی بڑی بڑی تصویریں آویزاں تھیں جن پر گرد کی موٹی تہہ جم گئی تھی ایک میز پر چڑھ کر میں نے ان تصویروں پر سے گرد جھاڑی اور سب کو غور سے دیکھنے لگا۔۔۔ان میں میرے مرحوم دادا، والدہ اور خالہ، خالو اور دوسرے ممبران خاندان کی تصویریں تھیں ان تصویروں کے نیچے نام تحریر تھے جن سے انہیں شناخت کرنے میں کوئی وقت پیش نہ آئی ان تصویروں کو دیکھتا ہوا جب میں کمرے کی مشرقی دیوار کے قریب پہنچا تو سیاہ رنگ کی لکڑی کے ایک نہایت خوبصورت فریم میں لگی ہوئی چچا جمال کی تصویر دکھائی دی مجھے ایک لمحے کے لیے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نادیدہ قوت نے مجھے وہیں رک جانے پر مجبور کر دیا۔۔۔اس تصویر کو دیکھتے ہوئے میرے دل میں دہشت اور خوف کے ساتھ ساتھ انتہائی نفرت و کراہیت کے جذبات پیدا ہوئے تصویر میں جو شخص کرسی پر بیٹھا تھا اس کی شکل و شباہت اور حلیے سے ظاہر ہوتا تھا کہ کوئی بہت ہی چالاک اور مکار آدمی ہے اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں طوطے کی چونچ جیسی خم دار ناک، تنگ پیشانی بڑے

بڑے کان جن پر بال اُگے ہوئے تھے، پتلے پتلے اور بھینچے ہوئے سرخ ہونٹ جن پر ایک مکروہ مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی جو چچا جمال کی پراسرار شخصیت کو اجاگر کرنے کے لیے کافی تھے میری عمر اس وقت 10 سال کی تھی اور مجھے خوب یاد ہے کہ اپنے چچا کی اس تصویر کے نقش میرے دماغ پر اس طرح بیٹھ گئے کہ میں کئی دن تک خوف زدہ رہا اور جب والد صاحب کو پتہ چلا کہ میں نے لائبریری میں جا کر چچا کی تصویر دیکھ لی ہے تو وہ بہت ناراض ہوئے اور انہوں نے اسی وقت تصویر کو فریم سمیت آتش دان کے دہکتے ہوئے کوئلوں میں پھینک دیا۔

اس حادثے کے ایک سال بعد جنوری کی ایک سوگوار صبح کو میرے والد انتقال کر گئے اور جب ان کا جنازہ قبرستان لے جایا جا رہا تھا تو ہمارے گھر کے دروازے پر ایک ٹیکسی آ کر رکی۔ ڈرائیور نے دروازہ کھولا ۔۔۔ اور سر تا پا سیاہ لباس پہنے ہوئے۔ ایک طویل قامت شخص نہایت وقار کے ساتھ نیچے اترا اس کی شکل دیکھتے ہی سبھی لوگ اپنی اپنی جگہ رک گئے اور ایک عجیب سا سناٹا چھا گیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے اپنے چچا جمال کو دیکھا اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں چمک رہی تھیں اور میں اس سے آنکھیں ملاتے ہوئے گھبرا رہا تھا۔ کسی سے کوئی لفظ کہے بغیر وہ والد کی میت کی جانب بڑھے۔ قریب کھڑے ہوئے ایک عزیز نے میت کے منہ سے کپڑا ہٹا دیا۔ چچا نے والد کے چہرے پر ایک نظر ڈالی۔ پتلے ہونٹوں پر وہی مکروہ مسکراہٹ نمودار ہوئی جو میں تصویر میں دیکھ چکا تھا پھر وہ میری والدہ کی جانب مڑے اور دو بے الفاظ میں اظہار تعزیت کیا میں بوڑھے باورچی کے پیچھے سہما ہوا کھڑا تھا۔ اب انہوں نے میری جانب دیکھا اور اپنے دونوں ہاتھ میری جانب بڑھا دیئے میں دہشت زدہ ہو کر پیچھے ہٹ گیا۔

یہ واقعہ مجھے ایک خواب کی مانند یاد ہے اس کے بعد چچا جمال واپس چلے گئے۔

دن گذرتے گئے میں اپنی پڑھائی اور دوسرے مشغلوں میں ایسا گم ہوا کہ چچا جمال کو بھول گیا صرف ایک موقع پر ان کی یاد آئی جب میں نے اخبار میں پڑھا کہ ایک شخص جمال براعظم افریقہ کی طویل سیاحت کے بعد سندھ میں مقیم ہوا ہے اور اپنے ساتھ نوادر کا ایک بیش بہا ذخیرہ لایا ہے یہ خبر پڑھتے ہی اپنے چچا کی بھولی بسری یاد میرے ذہن میں تازہ ہوگئی میں نے اپنی خالہ سے ذکر کیا تو انہوں نے کہا۔

"بیٹا تم اپنے چچا کو بالکل بھول جاؤ۔ تمہارا اُن سے کیا واسطہ؟ انہوں نے تمہارے والد کے مرنے کے بعد بھول کر بھی تمہاری خبر نہ لی وہ نہایت ظالم اور خبیث انسان ہے ان پر بدروحوں کا سایہ ہے۔" بات ٹل گئی۔

کئی سال بعد میں رانی پور کے بازار سے گزر رہا تھا۔ میں نے قریب سے گزرتے ہوئے ایک شخص کو دیکھا۔ وہی سیاہ لباس طوطے کی چونچ جیسی مڑی ہوئی ناک، تنگ پیشانی اور جھریاں پڑا ہوا چہرہ جو پہلے سے کہیں زیادہ سرد تھا اور آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں ان کی شناخت کا سب سے بڑا ذریعہ کانوں کے گرد گھنے بال تھے جنہوں نے ان کا چہرہ انتہائی بدنما اور مکروہ بنا دیا تھا وہ تیزی سے چلتا ہوا ایک عمارت کے صدر دروازے میں داخل ہوگیا پہلے میں نے سوچا کہ اپنے چچا سے ملاقات کروں لیکن پھر خالہ کے الفاظ کانوں میں گونجنے لگے۔

"تمہارا ان سے کیا واسطہ؟ انہوں نے تمہارے والد کے مرنے کے بعد بھول کر بھی تمہاری خبر نہ لی۔"

میں نے نفرت سے زمین پر تھوکا اور چچا سے ملنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اسی دوران میں میری والدہ بھی وفات پا گئیں میں دربدر کی ٹھوکریں کھاتا رہا مجھے مضمون نگاری اور افسانہ نویسی کا شوق تھا، نام پیدا کر

نے کی دھن میں رات دن محنت کرتا رہا۔۔۔رانی پور میں میں نے ایک چھوٹا سا مکان کرائے پر لے لیا تھا اور بڑی تنگی ترشی سے بسر اوقات کرنے لگا۔۔۔آپ اس حیرت اور مسرت کا اندازہ نہیں کر سکتے جب ایک روز ڈاک سے ایک غیر مانوس تحریر میں لکھا ہوا ایک چھوٹا سا رقعہ لفافے سے برآمد ہوا جس میں لکھا تھا۔

''میرے بیٹے! یہ خط ملتے ہی فوراً سندھ روانہ ہو جاؤ زندگی اور موت کا معاملہ درپیش ہے اور اس میں مجھے تمہاری مدد کی شدید ضرورت ہے۔گاؤں پہنچ کر جس سے میرا مکان معلوم کرو گے تمہیں بتا دے گا۔امید ہے تم اپنے بوڑھے چچا کو نہیں بھولے ہو گے۔'' جمال

ایک لمحے کے اندر اندر بچپن سے لے کر اب تک کے تمام واقعات میری نظروں کے سامنے سے گزر گئے اور چچا جمال کی شکل حافظے کی لوح پر ابھر آئی۔میں دیر تک اس چند سطری خط کو دیکھتا رہا جس کے ٹیڑھے میڑھے اور شکستہ حروف ظاہر کرتے تھے کہ لکھنے والے کے ہاتھ میں رعشہ ہے یا اس نے اتنی گھبراہٹ اور بد حواسی میں لکھا ہے کہ الفاظ جگہ جگہ سے ٹوٹ گئے ہیں۔

اس رات میں کوئی کام نہ کر سکا۔بار بار سوچتا رہا کہ مجھے جانا چاہیے یا نہیں اپنے چچا کی ہیبت میرے دل و دماغ پر بچپن ہی سے نقش تھی وہ مجھے وہاں جانے سے روکتی تھی لیکن نوجوانی کی حرارت اور کچھ کرنے کا جذبہ مجبور کرتا تھا کہ ضرور جانا چاہیے۔

جب میں سندھ کے نواح میں پہنچا۔۔۔شام کے دھندلکے آہستہ آہستہ بستی کو اپنی لپیٹ میں لے رہے تھے اور دریائے سندھ کی طرف سے آنے والی ہوا کے جھونکوں میں شدت پیدا ہو چکی تھی۔یہ چھوٹا سا گاؤں تھا جہاں بمشکل چند سو مکان تھے اکثر مکان ایک منزلہ تھے اور کوئی کوئی مکان ۲ منزلہ یا ۳ منزلہ تھا گلی میں سے گزرتے ہوئے چند آوارہ کتوں نے بھونکنا شروع کر دیا۔انہیں روکنے کے لیے ایک عمر رسیدہ آدمی

ایک مکان سے نکلا میں نے اس سے خان ہاؤس کا پتہ پوچھا تو ایک ثانیے کے لیے اس شخص کے چہرے پر حیرت کے آثار نمودار ہوئے اس نے سر سے پیر تک میرا جائزہ لیا اور بولا۔

''آہ!۔۔۔تم بڈھے جمال سے ملنے آئے ہو؟ اس کا مکان آبادی کے آخری سرے پر ہے بس سیدھے چلے جاؤ۔''

پھر بڈھے نے اپنے مکان کا دروازہ فوراً بند کر لیا۔ آدھے گھنٹے بعد میں خان ہاؤس کے سامنے کھڑا تھا۔ یہ وسیع و عریض مکان بالکل ویران جگہ پر تھا اس کے اردگرد پرانی اور بوسیدہ عمارتوں کے کھنڈر پھیلے ہوئے تھے جن سے پتہ چلتا تھا کہ کسی وقت یہاں بھی آبادی تھی۔ اس کے مغربی جانب جنگل واقع تھا اور شمالی جانب دریائے سندھ کے پانی کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ دریا زیادہ دور نہیں مکان کا دروازہ بند تھا اور کھڑکیوں پر سیاہ رنگ کے پردے پڑے ہوئے تھے روشنی کی کوئی کرن دکھائی نہ دیتی تھی جنگل میں پرندوں کے بولنے کی آوازیں اس ہولناک سناٹے کو چیرتی ہوئی میرے کانوں تک آ رہی تھیں۔

میں نے اپنے جسم میں خوف کی کپکپی دوڑتی ہوئی محسوس کی۔ ان واحد میں صدہا پریشان کن خیالات میرے ذہن میں آئے اور گزر گئے میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے فوراً لوٹ جانا چاہیے لیکن کسی اندرونی جذبے کے تحت میرے قدم رک گئے جانے سے پیشتر چچا جمال کو ایک نظر تو دیکھ لوں اب تو ان کی شکل و شباہت میں عظیم تغیر آ چکا ہوگا۔۔۔ میں نے آگے بڑھ کر دروازے پر زور سے دستک دی اور انتظار کرنے لگا چند لمحے بعد مکان کے اندر سے قدموں کی چاپ سنائی دی جو آہستہ آہستہ دروازے کے قریب آ رہی تھی میرا دل دھڑکنے لگا۔ دروازے کے لاک کھلنے کی آواز سنائی دی اور سیاہ رنگ کا آہنی دروازہ ایک گڑگڑاہٹ کے

ساتھ ذرا سا سرکا اور مجھے ایک مدقوق صورت بڈھا کھڑا نظر آیا۔ اس کا جسم گردن سے لے کر ٹخنوں تک بغیر آستین کے سیاہ لبادے سے ڈھکا ہوا تھا ایک ہاتھ میں مٹی کے تیل سے جلنے والا چھوٹا سا لیمپ تھا۔۔۔ شائد اٹک گئی ہوئی تھی۔ ہوا کے جھونکوں سے لیمپ کی لو بھڑک رہی تھی۔ زرد رنگ کی اس روشنی میں بڈھے جمال کو پہچان لینا کچھ مشکل نہ تھا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میرے سامنے ایک لاش کھڑی ہے میں دہشت سے ایک قدم پیچھے ہٹ گیا اور ان کی شکل بغور دیکھنے لگا یہ میرا وہی مکروہ صورت بچا تھا جسے میرے گھر کے لوگ نفرت کے باعث شیطان کہہ کر پکارا کرتے تھے۔۔۔ انہوں نے لیمپ اونچا کیا۔۔۔ اب میں نے دیکھا کہ اس کا ہاتھ برف کی طرح سپید تھا اور لمبی باریک انگلیاں نہایت سختی سے لیمپ پکڑے ہوئے تھیں اس کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی وہ دروازے سے باہر آیا اور سیٹی کی مانند تیز آواز میں بولا۔

''اگر میں غلطی نہیں کر رہا تم میرے عزیز بھتیجے سلیم ہو۔۔۔ خوش آمدید۔۔۔ خوش آمدید۔۔۔''

میں نے اثبات میں گردن ہلا دی۔۔۔ اور دروازے میں داخل ہو گیا بڈھے نے لیمپ فرش پر رکھا اور دروازے کا لاک لگا دیا اور لیمپ دوبارہ ہاتھ میں اٹھا کر مجھے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔۔۔

''بیٹا سلیم! تم نے بہت اچھا کیا کہ آ گئے اب مجھے اطمینان ہو گیا تم تھک گئے ہو گے۔۔ آرام کرو ۔۔۔۔ صبح باتیں کریں گے۔۔۔''

ایک طویل راہداری۔۔۔۔ کئی برآمدوں اور زینوں کو عبور کر کے بڈھا مجھے تیسری منزل کے ایک کشادہ اور سجے سجائے کمرے میں لے گیا جہاں آتش دان کے اندر آگ کے نارنجی شعلے بھڑک رہے تھے ایک جانب بڑی سی مسہری پر آرام دہ بستر بچھا ہوا تھا جس کے اوپر بہت پرانی سی چھتری آویزاں تھی قریب ہی رکھی ہوئی میز پر رات کا کھانا لگا ہوا تھا۔۔۔۔ میں حیرت سے یہ سامان دیکھ رہا تھا بڈھا میری اس حیرت کو

بھانپ کر مسکرایا اور بولا۔

''مجھے یقین تھا! کہ آج تم رات تک میرے پاس ضرور پہنچ جاؤ گے میرا حساب کتاب کبھی غلط نہیں ہوتا میں نے انور سے، کہہ دیا تھا کہ کھانا تیار رکھے اور آتش دان میں آگ جلا دے۔۔۔ دریا قریب ہے اس لیے یہاں سردی بڑھ جاتی ہے اچھا شب بخیر!''

اس نے جلتا ہوا لیمپ ایک جانب رکھ دیا اور دروازے کی طرف جا کر غور سے سننے کی کوشش کرنے لگا۔ چند سیکنڈ تک وہ دروازے سے کان لگائے سنتا رہا ان کی اس حرکت پر میری حیرت دم بدم بڑھ رہی تھی یکا یک اس نے ہاتھ بڑھا کر دروازہ کھول دیا باہر تاریک برآمدے میں کوئی نہ تھا ہوا کا ایک تیز جھونکا آیا اور لیمپ بجھ گیا۔۔۔ بڈھے کی آواز میرے کانوں میں آئی۔

''میز پر دیا سلائی موجود ہے تم لیمپ جلا سکتے ہو۔''

میں نے اندھیرے میں دیا سلائی کا بکس تلاش کیا اور جب لیمپ روشن کر کے دروازے کی طرف گیا تو دروازہ باہر سے بند تھا۔

صبح جب میری آنکھ کھلی تو باہر سنہری دھوپ پھیلی ہوئی تھی اور میرے سرہانے ایک منحوس صورت بڈھا کھڑا تھا معلوم ہوا کہ یہ انور ہے اور خانساماں ہونے کے ساتھ ساتھ عمارت کی چوکیداری بھی کرتا ہے اس نے مودبانہ انداز میں سلام کیا۔ اور ناشتے کی ٹرے میز پر رکھتے ہوئے بولا۔

''باتھ روم آپ کے بائیں ہاتھ ہے کوئی ضرورت ہو تو یہ گھنٹی بجا دیجیے گا۔''

اور دبے پاؤں کمرے سے باہر نکل گیا۔ منہ دھو کر میں ناشتہ کرنے لگا اسی دوران میں کمرے کا دروازہ پھر آہستہ سے کھلا اور چچا جمال اندر داخل ہوئے اب میں نے غور سے دیکھا ان کے چہرے پر موت

کی سی زردی چھائی ہوئی تھی ان کے ہاتھوں اور ننگے پیروں کو دیکھ کر یوں محسوس ہوتا تھا جیسے برص کا مرض ان کے تمام جسم پر پھیل چکا ہے۔کل کی طرح آج بھی انہوں نے گردن سے لے کر ٹخنوں تک لمبا سیاہ لبادہ پہن رکھا تھا اور سر پر پرانی وضع کا سیاہ کیپ تھا، دبلا پتلا ہونے کے باعث وہ پہلی نظر میں لمبے آدمی معلوم ہوتے تھے لیکن حقیقتاً ان کا قد 5 فٹ سے زائد نہ تھا ان کی عمر 50 برس سے اوپر ہی ہوگی لیکن حلیے سے لگتا تھا کہ وہ 30 سال سے اوپر کے ہیں۔ مجھے دیکھ کر وہ مسکرائے اور کہنے لگے۔

''ناشتہ تمہیں شاید پسند نہ آیا ہوگا۔۔۔انور پرانا آدمی ہے اسے نئے طرز کا ناشتہ تیار کرنا نہیں آتا۔''

''نہیں چچا جان! ناشتہ تو خوب تھا۔'' میں نے اعتراف کیا وہ چند لمحے تک میری جانب پلک جھپکائے بغیر دیکھتے رہے اور مجھے لگا جیسے وہ میرا ذہن پڑھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ان کی نظریں اتنی مقناطیسی تھیں کہ میں گھبرا کر دوسری طرف دیکھنے لگا کئی منٹ تک کمرے میں خاموشی رہی میں جب ناشتے سے فارغ ہو چکا تو انہوں نے گھنٹی بجائی اور ایک ثانیے بعد بڈھا انور کمرے میں داخل ہوا اور برتن اٹھا کر چپکے سے باہر چلا گیا۔انور کے جانے کے بعد چچا جمال اٹھے اور انہوں نے پہلے کمرے کا دروازہ بند کیا پھر کھڑکیاں بند کیں ان پر سیاہ پردے کھینچے اور پوری طرح مطمئن ہونے کے بعد کہ اب آواز کمرے سے باہر نہیں جاسکتی وہ بالکل میرے قریب آ گئے۔خوف کی ایک لہر میرے جسم میں دوڑ گئی۔۔۔خدا معلوم یہ عجیب بوڑھا اب مجھ سے کیا بات کہنا چاہتا ہے میں نے رومال نکال کر پیشانی سے پسینے کے قطرے پونچھے۔۔۔چچا جمال نے مجھے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور کہنے لگا۔

''بیٹا سلیم! میں نے بہت سوچ بچار کے بعد اس کام کے لیے تمہارا انتخاب کیا ہے اور یقین ہے کہ تم مجھے مایوس نہ کرو گے۔بہت عرصہ گزرا میں نے تمہیں اس وقت دیکھا تھا جب تم 10 سال کے تھے اور میں

نے اسی وقت فیصلہ کر لیا تھا کہ تمہیں اپنی ساری جائیداد کا وارث بناؤں گا" میرا دل یکبارگی دھڑکا بڑھا اپنی بات کا اثر دیکھنے کے لیے تھوڑی دیر تک خاموش رہا اس نے دوبارہ گفتگو کا آغاز کیا۔

"لیکن اس سلسلے میں تمہیں چند شرائط پوری کرنا پڑیں گی اور مجھے یقین ہے کہ تم انکار نہیں کرو گے" اب میں چونکا۔

"چچا جان! اگر آپ کی شرائط اس قابل ہوئیں جن کو میں پوری کروں تو مجھے خوشی ہوگی۔"

"جمال چچا کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا انہوں نے اپنا استخوان نما پنجہ میرے کندھے پر رکھا اور بولے۔

"میری شرائط بہت آسان ہیں اب غور سے سنو اور ان پر عمل کرنے کا وعدہ کرو سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ تم مستقل طور پر میرے اس مکان میں رہو گے۔۔۔۔ مکان کے پچھلے حصے میں ایک تہہ خانہ ہے جس میں مرنے کے بعد میری لاش رکھی جائے گی اور تہہ خانے کا دروازہ سیل کر دیا جائے گا۔ اس تہہ خانے کی ذمہ داری تمہاری ہوگی اور تم محسوس کرو گے کہ "کوئی" میرے تہہ خانے کے دروازے کو توڑ کر اندر داخل ہونے کی کوشش کر رہا ہے تو تم بلا تاخیر میری لائبریری میں جانا اور میز کے خانے سے کاغذات نکال کر دیکھنا ان پر جو ہدایات لکھی ہوں ان پر عمل کرنا۔۔۔۔ اس سے پہلے ان کاغذات کو دیکھنے کی کوشش نہ کرنا بس میری یہی شرائط ہیں۔"

میرے دماغ میں ہلچل مچ گئی۔ میں حقیقتاً کچھ نہ سمجھ سکا کہ جمال چچا ایسا کیوں کہہ رہے ہیں؟ تاہم میں نے اندازہ لگا لیا کہ کسی حادثے کے باعث ان کا دماغ خراب ہو گیا ہے اس لیے وہ بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں۔۔۔۔ میں نے بحث کرنے کے بجائے ان سے کہا کہ ان تمام شرائط پر عمل کرنے سے مجھے انکار

نہیں۔ چچا جمال کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ وہی مکروہ مسکراہٹ ان کے ہونٹوں پر نمودار ہوئی انہوں نے آگے بڑھ کر پردے ہٹائے ایک کھڑکی کھولی جو باغ کی جانب کھلتی تھی جہاں سوائے جھاڑ جھنکار کے سوا کچھ نہ تھا۔ کھڑکی کھلتے ہی چچا جمال اپنی جگہ بے حس و حرکت کھڑے ہو گئے ان کی نظریں جھاڑیوں کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ یکایک وہ بڑبڑائے جیسے کسی سے باتیں کر رہے ہوں۔

''میں نے اب تک تمہیں قریب نہیں بھٹکنے دیا۔۔۔ جمال تمہارے قابو میں آنے والا نہیں۔۔۔ شاکر! کیا تم میری بات سن رہے ہو۔۔۔''

میں حیرت سے ان کی طرف دیکھنے لگا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔۔۔ دفعتہ وہ میری طرف مڑے اور کہنے لگے۔۔۔

''سلیم! اب تم جا سکتے ہو۔۔۔۔ میں اب تم سے دوبارہ نہ مل سکوں گا'' یہ کہہ کر وہ تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئے میں ابھی کچھ سوچنے بھی نہیں پایا تھا کہ انور کمرے میں داخل ہوا۔ وہ انتہائی بد حواس اور خوفزدہ لگتا تھا اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور تقریباً گھسیٹتا ہوا کمرے سے باہر لے گیا ادھر ادھر دیکھتے ہوئے وہ سرگوشی سے بولا۔

''ماسٹر! سلیم آپ اسے کیا کہتے ہیں؟''

میں نے انور کی طرف گھور کر دیکھا اور ڈانٹ کر کہا۔

''بے وقوف بڈھے کیا تو چھپ کر ہماری باتیں سن رہا تھا؟''

وہ خوف سے لرز گیا اور منہ پھیر کر کچھ کہے بغیر وہاں سے چلا گیا میں اپنے کمرے میں لوٹ آیا معاملہ لمحہ بہ لمحہ پراسرار بنتا جا رہا تھا چچا جمال کے الفاظ میرے کانوں میں گونج رہے تھے اور مجھے یوں محسوس ہو رہا

تھا جیسے میرے ذہن پر منوں بوجھ رکھ دیا گیا ہے میں نے بستر پر لیٹ کر اس مسئلے کو غور و فکر کے بعد حل کرنا چاہا لیکن واقعات اس قدر الجھے اور بے ترتیب تھے کہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا؟ تاہم ایک بات یقینی تھی کہ اگر بڈھا جمال پاگل نہیں تو اسے کسی شاہد نامی شخص سے خطرہ ضرور ہے اور پھر تہہ خانے والی بات میرا دماغ چکرانے لگا آخر اس نے اس بات پر زور کیوں دیا کہ اس تہہ خانے کے اندر کوئی شخص داخل ہونے کی کوشش کرے گا حالانکہ بڈھا جمال ابھی زندہ ہے مجھے انور کا خیال آیا آخر وہ کیوں پوچھ رہا تھا کہ ماسٹر سلیم جمال نے مجھ سے کیا باتیں کیں میں دماغ پر جتنا زور ڈالتا معاملہ اتنا ہی پراسرار اور تکلیف دہ بنتا چلا جا رہا تھا۔ آخر میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے چند روز تک یہیں قیام کر کے اس مسئلے کا حل کرنا ہوگا اور اپنے چچا کی گزشتہ زندگی کے حالات جاننے ہوں گے۔

دوپہر کو انور میرے لیے کھانا لے آیا اور کچھ کہے سنے بغیر واپس چلا گیا میں نے بھی اسے منہ لگانا مناسب نہ سمجھا۔ کھانے سے فارغ ہو کر میں چہل قدمی کے ارادے سے باہر نکلا۔۔۔۔ چچا جمال غالباً گھر میں نہ تھے ورنہ وہ ضرور نظر آتے پھر مجھے ان کے الفاظ یاد آئے کہ اب ہم نہ مل سکیں گے۔ میں سوچنے لگا کہ ان الفاظ کا کیا مقصد تھا۔

رانی پور کے نواح میں سہ پہر تک گھومنے کے بعد جب میں تازہ دم ہو کر جان ہاؤس پہنچا تو نچلی منزل کے بڑے کمرے میں ایک تیسرے بڈھے کو کرسی پر بیٹھے پایا میں نے دل میں کہا، یہ پرانا مکان تو بڈھوں کی آرام گاہ بنا ہوا ہے۔ خدا معلوم ابھی یہاں کتنے ایسے بڈھے چھپے بیٹھے ہیں مجھے دیکھتے ہی بڈھا کرسی سے اٹھا اور استفہامیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''کیا آپ ہی کا نام سلیم ہے؟''

میں نے اثبات میں گردن ہلائی تب اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''مسٹر سلیم! میں نہایت رنج کے ساتھ یہ منحوس خبر آپ کو سنا رہا ہوں کہ تھوڑی دیر پہلے آپ کے چچا جمال اس دنیا سے چل بسے۔''

ایک لمحے کے لیے مجھے یوں محسوس ہوا کہ جیسے کسی نے پوری قوت سے آہنی ہتھوڑا میرے سر پر دے مارا۔ میں گم سم ہو کر بے وقوفوں کی طرح اس اجنبی بڈھے کی شکل دیکھنے لگا۔ حیرت اور رنج کی ایسی کیفیت مجھ پر زندگی میں کبھی طاری نہیں ہوئی۔ جیسی اس روز چچا جمال کے مرجانے کی یکا یک خبر سن کر ہوئی تھی۔

''کیا کہہ رہے ہیں آپ؟''

میں نے بے قابو ہو کر تقریباً چیختے ہوئے کہا۔

''چچا جمال چل بسے؟ کیسے۔۔۔۔؟ کب۔۔۔۔؟''

''ابھی آدھ گھنٹہ قبل۔۔'' بڈھے نے پرسکون لہجے میں کہا۔ ''جن حالات میں وہ موت سے دوچار ہوئے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے خودکشی کی ہے میرا نام نیاز احمد ہے اور میں بہت عرصے سے مرحوم کا مشیر قانون ہوں۔۔۔ اور۔۔''

''ذرا ٹھہریئے۔۔۔'' میں نے قطع کلام کیا۔۔ میں تفصیل سے تمام واقع سننا چاہتا ہوں۔

وکیل نے کھنکار کے گلا صاف کیا اور یوں تقریر کے لیے تیار ہوا جیسے کسی عدالت میں کھڑا ہے۔

''سلیم صاحب! اصل قصہ یہ ہوا کہ اب سے کوئی آدھ گھنٹہ قبل حسب معمول انور اپنے مالک کو تلاش کرتا ہوا تیسری منزل کے آخری کمرے میں پہنچا تو اس نے مرحوم کو ایک میز پر اس عالم میں بیٹھے پایا جیسے وہ لکھتے لکھتے اونگھ گئے ہوں۔۔۔ ان کے آگے چند کاغذ پڑے تھے اور ہاتھ میں قلم تھا، کاغذ پر چند حروف آپ کا

نام مسٹر سلیم اور رانی پور کا پتہ لکھ پائے تھے کہ زہر نے اپنا کام دکھا دیا اور پھر وہ اس سے آگے نہ لکھ سکے ۔۔۔ پہلے یہ خیال ہوا کہ ان کی موت حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے واقع ہوئی ہے لیکن جب ڈاکٹر نے معائنہ کیا تو یہ انکشاف ہوا کہ دانستہ یا غلطی سے افیون زیادہ کھا جانے سے یہ مہلک حادثہ پیش آیا ہے ۔۔۔ بہر حال یہ فیصلہ کرنا عدالت کا کام ہے اور عدالت کی نگرانی میں مرحوم کا وصیت نامہ کھولا جائے گا۔ آپ کو میرے ہمراہ چلنا ہوگا۔''

عدالت کے کل ۱۲ ارکان تھے جنہوں نے 5 منٹ میں فیصلہ دے دیا کہ جمال کی موت ناگہانی طور پر زیادہ افیون استعمال کرنے سے ہوئی ہے اور یہ اقدام خودکشی کا نہیں ہے۔ جیوری کے اس فیصلے سے گاؤں کے مولوی جو مرحوم کے دفنائے جانے کی آخری رسوم ادا کرنے والے تھے انہیں عدالت کے فیصلے سے اتفاق نہ تھا۔۔۔ وہ برملا کہہ رہے تھے ''جمال صاحب نے خودکشی کی ہے اور میں ایسے شخص کے جنازے میں بھی شریک ہونے کو تیار نہیں ہوں۔'' وصیت نامہ کھولا گیا تو اس میں چوکیدار اور گھر کی دیکھ بھال کرنے والی خاتون کو معقول رقم عطا کرنے کے علاوہ ساری جائداد میرے نام کر دی گئی تھی لیکن اس شرط کے ساتھ کہ میں جب تک زندہ ہوں خان ہاؤس میں مقیم رہوں گا۔

یہ سارا واقعہ اسی تیزی سے پیش آیا کہ غور کرنے اور سوچنے کی تمام قوتیں سلب ہو گئیں جائداد ملنے کی اگرچہ مجھے دل ہی دل میں خوشی تھی لیکن جب چچا جمال کی عجیب و غریب شرائط سامنے آئیں تو ذہن مفلوج ہو جاتا دراصل مجھے یقین ہو گیا تھا کہ چچا جمال نے خودکشی کی ہے۔۔۔ مجھے ان کے الفاظ یاد آ رہے تھے۔

''ہم اب دوبارہ نہ مل سکیں گے۔۔۔''

سورج غروب ہونے سے پہلے ان کی وصیت کے مطابق چچا جمال کی ڈیڈ باڈی ایک تابوت میں رکھ

کر بند کر دی گئی جس کی انہوں نے مجھے ہدایت کی تھی۔ تہہ خانے میں تابوت رکھ کر تہہ خانے کا دروازہ میں نے اپنے سامنے سیل کرایا۔ رانی پور کے وہ سب لوگ جو جنازے کی تعزیت کے لیے آئے تھے ایک ایک کر کے رخصت ہو چکے تھے ابھی میں اپنے کمرے میں آ کر بیٹھا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی اور انور اندر داخل ہوا۔۔۔ اس کی آنکھیں ویران اور سرد تھیں چہرے پر ایک عجیب قسم کی وحشت برس رہی تھی وہ کہنے لگا۔

جناب عالی!

میں صرف یہ اطلاع دینے آیا ہوں کہ میں اب ایک لمحے کے لیے بھی اس منحوس مکان میں ٹھہرنا نہیں چاہتا۔۔۔ میں آپ سے کسی تنخواہ اور کسی معاوضے کا مطالبہ نہیں کر رہا۔۔۔۔۔ مجھے آپ اجازت دیجیے۔

"کیوں؟"

تمہیں یہاں کیا تکلیف ہے؟ میں نے حیرت سے پوچھا۔

"جناب تکلیف تو کوئی نہیں۔۔۔" انور رک رک کر بولا پھر کمرے میں چاروں طرف پریشان نظروں سے دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"سلیم صاحب! مرحوم جمال صاحب جب تک زندہ تھے اس مکان میں بڑے بڑے پر اسرار اور ناقابل یقین تماشے میں نے دیکھے ہیں اور اب ان کے مرنے کے بعد بھی ایسے ہی واقعات پیش آئیں گے۔ میں اب اس آسیب زدہ مکان میں نہیں رہنا چاہتا۔"

میں نے انور سے ان پر اسرار اور ناقابل یقین واقعات کی تفصیلات پوچھنے کی بڑی کوشش کی لیکن اس کی حالت اتنی ابتر اور شکستہ تھی کہ وہ کچھ بتا نہ سکا اور جانے پر اصرار کرتا رہا آخر میں نے اس سے کہا کہ چند دن مزید ٹھہر کر چلے جانا۔ یہ سن کر اس نے مودبانہ انداز میں گردن جھکالی اور آنسو پونچھتا ہوا باہر چلا گیا۔ تھو

ذی دیر بعد میں نے گھر کی دیکھ بھال کرنے والی خادمہ مسز فوزیہ کو طلب کیا اور جب اسے بتایا کہ انور نوکری چھوڑنا چاہتا ہے تو بڑھیا کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ اس کے مرجھائے ہوئے ہونٹ اور خشک ہو گئے اور وہ اپنی دھنسی ہوئی زرد آنکھوں سے مجھے دیکھنے لگی میں نے دیکھا کہ خوف سے اس کے دونوں ہاتھ کانپ رہے ہیں اس نے جلدی سے اپنی اس کیفیت پر قابو پالیا اور کہنے لگی۔

"سرکار! آپ اس بوڑھے کو ہرگز نہ جانے دیجیے وہ پاگل ہو گیا ہے اپنے مالک کی بے وقت موت نے اس کا دماغ ٹھکانے نہیں رہا میں اسے سمجھا دوں گی۔۔۔۔"

اب میں نے مسز فوزیہ سے بھی اس مکان اور چچا جمال کی گزشتہ زندگی کے بارے میں پوچھنا چاہا تو اس نے نفی میں گردن ہلائی اور کہا۔

"سرکار! میں کچھ نہیں بتا سکتی مجھے کچھ معلوم نہیں۔۔۔۔ میں تو ان کے کسی معاملے میں کبھی دخل نہیں دیتی تھی۔"

چچا جمال کی موت کے 3 روز بعد کا ذکر ہے میں رات کا کھانا کھا کر دیر تک ڈائری لکھتا رہا اور جب سونے کے لیے بستر پر لیٹا تو رات کا ایک بج رہا تھا مکان کے چاروں طرف ایک بھیانک سناٹا اور تاریکی مسلط تھی اور دور جنگل میں کوئی الو اپنی منحوس آواز میں چیخ رہا تھا۔ بستر پر لیٹتے ہی میں نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ چچا جمال میرے سامنے کھڑے ہیں انہوں نے وہی بغیر آستین والا سیاہ لبادہ پہن رکھا تھا اور اپنی چمکیلی آنکھوں سے مجھے گھور رہے تھے یکایک۔ ان کے لب کھلے اور انہوں نے تحکمانہ انداز سے مجھ سے کہا۔

"سلیم" تم بلا تاخیر میری لائبریری میں جاؤ اور ساتویں الماری کے دوسرے خانے میں کتابیں رکھی

ہیں انہیں بغور دیکھو ان کتابوں کے اندر جو ہدایات ہیں ان پر عمل کرو۔

یہ خواب دیکھ کر میری آنکھ کھل گئی اور میں نے اپنا دل بے تابی سے دھڑکتے پایا۔۔۔۔چچا جمال کی شکل میری آنکھوں کے آگے گھوم رہی تھی اور خواب میں کہے گئے الفاظ کانوں میں مسلسل گونج رہے تھے میں پھر ساری رات نہ سو سکا اور سورج کی پہلی کرن جونہی نمودار ہوئی مجھے محسوس ہوا جیسے میرا سارا ڈر دور ہو گیا۔ پھر میں دیر تک ایک بچے کی نیند سوتا رہا۔ دوبارہ آنکھ کھلی تو میں تازہ دم تھا، ناشتے سے فارغ ہو کر حسب معمول تہہ خانے کی جانب گیا اور دروازے کی سیل کا معائنہ کیا اسے کسی نے نہیں چھیڑا تھا۔۔۔میں مطمئن ہو گیا۔

دن بھر کی مصروفیات کے بعد۔۔۔رات میں جونہی بستر پر لیٹا چچا جمال خواب میں دکھائی دیئے۔ اس مرتبہ ان کی حالت پہلے سے ابتر تھی اور چہرہ بڑا بھیانک نظر آ رہا تھا، انہوں نے وہی الفاظ دہرائے جو گزشتہ رات کہے تھے۔۔۔میں پھر ساری رات مضطرب رہا۔ تیسری رات چچا میرے سامنے پھر کھڑے تھے اور وہی الفاظ دہرا رہے تھے اس مرتبہ ان کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے اور لہجے میں حد درجہ کی تلخی اور تحکم تھا۔۔۔آنکھ کھلی تو میں نے اپنا جسم پسینے سے شرابور پایا ایسی ذہنی اذیت سے مجھے کبھی واسطہ نہیں پڑا تھا۔ میں نے اسی وقت لیمپ ہاتھ میں لیا اور دبے پاؤں چلتا ہوا لائبریری کی طرف گیا دروازے کا قفل کھولا اور سامنے الماری کے قریب پہنچا جس کے اوپر سیاہ پردہ پڑا ہوا تھا جب میں نے اس پردے کو چھوا تو میرے جسم میں سنسنی سی پھیل گئی جیسے میں نے کسی گندی شے کو ہاتھ لگا دیا ہو لکڑی کی بنی ہوئی اس الماری کے 4 خانے تھے جن میں صدیوں پرانی بوسیدہ کتابیں بھری تھیں۔ اس کے دوسرے خانے میں سے پہلی کتاب کو اٹھا کر جونہی میں نے پہلا صفحہ الٹا تو میرے ہاتھ کانپ گئے اور کتاب فرش پر گر گئی۔ بتا نہیں سکتا کہ

مجھ پر کتنی ہیبت اس کتاب کو دیکھ کر ہوئی اور اس کتاب پر کیا منحصر اس خانے میں جتنی کتابیں رکھیں تھیں ان سب کا موضوع ہی ایسا تھا اور یہ سب کی سب لاطینی زبان کی قلمی کتابیں تھیں ان میں کہیں کہیں سرخ روشنائی سے مختلف عبارتوں کو انڈر لائن کیا گیا تھا۔ جن پر چچا جمال کے دستخط اور تاریخ درج تھی میں ان تمام نشان زدہ کتابوں کو اٹھا کر اپنے کمرے میں لے آیا اور ان کی عبارتیں سمجھنے کی کوشش کرنے لگا۔۔۔ لاطینی زبان میں نے عرصے پہلے ایک شخص سے سیکھی تھی وہ اب میرے کام آئی۔۔۔ لیکن حروف اتنے پرانے اور شکستہ تھے کہ پڑھنے میں مشکل ہو رہے تھے۔

میں صبح تک ان عبارتوں میں سر کھپاتا رہا اور بالآخر ان میں سے ایک پیراگراف کا ترجمہ کرنے میں کامیاب ہو ہی گیا جو یوں تھا۔

''اس کائنات کی بیکراں وسعتوں میں لاکھوں بد روحیں آسیب اور شیطانی قوتیں کار فرما ہیں جو دن رات کے ہر ہر لمحے میں زمین کی طرف یلغار کرتی ہیں اور جس روح کو کمزور دیکھتی ہیں اس پر قابو پانے کی کوشش کرتی ہیں خصوصاً سورج غروب ہونے کے بعد اور صبح کاذب تک ان روحوں کی قوت بہت بڑھ جاتی ہے یہ جہاں چاہے جا سکتی ہیں پس ان کو روکنے کے لیے مختلف تدبیروں پر عمل کیا جاتا ہے مرنے کے بعد جب کوئی روح جسم سے نکل جاتی ہے تو بد روحیں اسے اپنے ساتھ لے جانے کے لیے بیتاب ہوتی ہیں اگر اس وقت مردے کی قبر اور جسم کی حفاظت نہ کی جائے تو وہ ہمیشہ کے لئے عذاب میں گرفتار ہو جاتا ہے۔''

اس عبارت کے حاشیے میں چچا جمال نے لکھا تھا۔

''بیٹا سلیم! جب میں مر جاؤں اور تم میری ہدایات کے مطابق تہہ خانے میں مجھے دفن کر کے دروازہ سیل کر دو۔۔۔ اس کے بعد تہہ خانے کو بلاؤں سے محفوظ کرنے کے لیے قبرستان جانا اور ایک پرانی کھوپڑی

کو پیس کر اس کا سفوف بنا لینا بعد ازاں ایک کمسن بچے کے خون میں یہ سفوف حل کر کے چودھویں رات کو تہہ خانے کے دروازے پر کھوپڑی کی تصویر بنا دینا یہ عمل تین مرتبہ چاند کی ہر چودھویں رات کو کرنا ضروری ہے۔"

جب یہ عبارت میں نے پڑھی تو دہشت سے میرا رواں رواں کانپنے لگا اور میں نے دیوانگی کے عالم میں کتابیں اٹھا کر فرش پر پھینک دیں۔

"خدا کی پناہ!" اگر مجھے علم ہوتا کہ وہ منحوس بڈھا مرنے کے بعد مجھ سے ایسے بیہودہ اور ناپاک کام لینا چاہتا ہے تو میں کبھی اس سے وعدہ نہ کرتا۔۔۔ میں دونوں ہاتھ سے اپنا چہرہ چھپا کر رونے لگا اور دیر تک اپنی حالات پر روتا رہا۔ کاش! میں یہاں نہ آتا اور اپنے آپ کو اس عذاب میں مبتلا نہ کرتا۔

ان کتابوں سے ظاہر ہو گیا تھا کہ میرا چچا نہ صرف کالے جادو پر یقین رکھتا تھا بلکہ اس پر عمل پیرا بھی تھا اور خدا بہتر جانتا ہے کہ اس نے اپنی طویل زندگی میں اس جادو کے زور سے کیا کارنامے انجام دیئے ہوں گے اور اب مرنے کے بعد بھی اس مشغلے میں الجھا ہوا ہے۔

اس روز میری بھوک پیاس سب اڑ گئی بار بار میری نظریں اسی تہہ خانے کی طرف جاتی جہاں اس جادوگر کی لاش تابوت میں رکھی تھی ایک بار میرے دل میں آیا کہ تہہ خانے کے دروازے کی سیل توڑ دوں اور لاش کو تابوت سے نکال کر نذر آتش کر دوں لیکن ایسا کرنا میرے بس میں نہ تھا گاؤں بھر کے لوگ میرے اس فعل پر نفرتیں کرتے اور کہتے کہ چچا نے اپنی ساری جائداد بھتیجے کو بخش دی اور بھتیجے نے یہ صلہ دیا۔۔۔ انور اور مسز فوزیہ کا رویہ بھی میرے ساتھ عجیب تھا اول تو وہ میرے قریب ہی نہیں بھٹکتے اور اگر قریب آتے بھی تو سہمے سہمے رہتے۔

رات کو میں دریا کے کنارے ٹہلنے نکل گیا۔۔۔تھوڑی دیر میں آسمان کے کنارے مشرق سے چو دھویں کے چاند نے جھانکا اور اپنی سنہری کرنیں دریا اور جنگل میں بکھیرتا ہوا آہستہ آہستہ اوپر اٹھنے لگا۔میں دور تک ٹہلتا چلا گیا وقت کا احساس ہی نہ رہا جب میں واپس لوٹا تو چاند پوری آب و تاب کے ساتھ آسمان کے عین درمیان میں روشن تھا۔۔۔ہر شے چاندنی میں نہا رہی تھی تمام راستے مجھے کوئی آدمی نظر نہ آیا اور میں یہاں کے لوگوں کی بدذوقی اور فطرت کے حسن سے بے نیازی پر دل ہی دل میں کڑھتا ہوا جب خان ہاؤس کے اجڑے ہوئے باغ میں پہنچا تو ایک ثانیے کے لیے میری نگاہوں کے سامنے کچھ فاصلے پر کسی آدمی کا سایہ زمین پر پڑتا دکھائی دیا۔۔۔میں نے غور سے دیکھا تو یہ سایہ اسی جانب بڑھ رہا تھا جدھر خان ہاؤس کے مغربی گوشے میں لائبریری کا کمرہ تھا۔

میں ایک درخت کی آڑ میں کھڑا ہو گیا۔۔۔بلاشبہ یہ کوئی آدمی تھا جو مکان کے اندر جانا چاہتا تھا چند لمحے بعد وہ جھاڑیوں کے اندر سے نکلا اور کھلی جگہ میں آ گیا اب میں نے اس کا چہرہ دیکھا جو دودھ کی مانند سپید تھا۔

اور اس کے سر کے بال بھی چاندی کے تاروں کی مانند چمک رہے تھے اس کا قد 6 فٹ سے نکلتا ہوا اور سر سے پیر تک سیاہ لبادے میں لپیٹا ہوا تھا، مجھ سے اس کا فاصلہ اندازاً 30 گز تھا تھوڑی دیر تک وہ مکان کی طرف دیکھتا رہا پھر آہستہ آہستہ نپے تلے قدموں سے تہہ خانے کی طرف بڑھنے لگا۔۔۔اب میں نے دیکھا وہ لنگڑا کر چل رہا ہے، اور اس کی کمر بھی جھکی ہوئی ہے میں اس کے تعاقب میں دبے پاؤں چل رہا تھا ۔۔۔میں دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ تہہ خانے کے پاس جا کر کیا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

تہہ خانے کے گرد اونچی گھاس اور جھاڑ جھنکار کثرت سے تھے اور ناممکن تھا کہ کوئی شخص ادھر جائے

اور اس کے پیر میں کا نشانہ چھپے، لیکن یہ دیکھ کر مجھ پر خوف طاری ہو گیا کہ جو شخص ننگے پیر تھا اس اطمینان اور بے پروائی سے اس جھنکاڑ کے اندر چل رہا تھا جیسے اس کے پیروں تلے قالین بچھا ہوا ہے، ایکا یک بادل کے ایک آوارہ ٹکڑے نے چاندنی کا راستہ روک لیا اور چاروں طرف گھپ اندھیرا چھا گیا میں نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور تہہ خانے کے قریب پہنچ گیا میں چاہتا تھا کہ چپکے سے جا کر اس شخص کو پکڑ لوں اتنے میں چاند نے پھر بادلوں میں سے جھانکا اور میں نے دیکھا کہ وہ پراسرار شخص گھٹنوں کے بل جھکا ہوا تہہ خانے کے دروازے کا معائنہ کر رہا ہے۔ غالباً وہ دیکھ رہا تھا کہ اسے کس طرح کھولا جا سکتا ہے اتنے میں مغرب کی جانب سے ایک بہت بڑی چمگادڑ پرواز کرتی ہوئی آئی اور اس کے پروں کا سایہ اس شخص پر پڑا اس نے فوراً گردن اٹھا کر اوپر دیکھا اور مسکرایا اس کے چمکتے ہوئے نوکیلے دانت دیکھ کر مجھے بڑی حیرت ہوئی دوسرے ہی لمحے وہ تہہ خانے کے دروازے کے قریب لیٹ گیا اور اس وقت میری آنکھوں نے جو دہشت انگیز منظر دیکھا وہ میں کبھی نہ بھول سکوں گا۔ دیکھتا ہوں کہ وہ شخص آہستہ آہستہ سکڑنے لگا پہلے مجھے اپنی آنکھوں پر اعتبار نہ آیا میں چند قدم آگے بڑھا اور میری آہٹ پا کر سکڑتے ہوئے اس شخص نے جو یقیناً کوئی بدروح تھی میری جانب دیکھا اور اچھل کر کھڑا ہو گیا۔۔۔ خدا جانے وہ کون سی طاقت تھی جس نے مجھے اس بدروح سے لپٹ جانے پر مجبور کر دیا۔ ایک ہی جست میں۔۔۔۔ میں اس پر جا پڑا اس کا دایاں پنجہ میرے ہاتھ میں آ گیا عین اسی وقت کسی نے پیچھے سے میرے سر پر کوئی وزنی شے ماری اور میں اس چوٹ کی تاب نہ لا کر بے ہوش ہو گیا۔

ایک گھنٹے بعد مجھے ہوش آیا تو میں نے اپنے آپ کو تہہ خانے کے دروازے کے قریب پایا میرا دماغ چکرا رہا تھا اور سر کے اس حصے میں جہاں نادیدہ دشمن نے ضرب لگائی تھی شدید ٹیسیں اٹھ رہی تھیں یہ حادثہ ایک خواب کی مانند مجھے یاد تھا۔۔۔ اور یقیناً میں اسے خواب ہی سمجھتا اگر میرے ہاتھ کی مٹھی میں دبا ہوا وہ

انسانی پنجہ نہ ہوتا جو چچا جمال کے تہہ خانے کا دروازہ کھولنا چاہتا تھا حواس بحال ہونے کے ساتھ ہی مجھے اس پنجے کی موجودگی کا احساس ہوا بلا شبہ وہ میرے ہاتھ میں تھا۔ لمبی سپید پانچ انگلیاں والا انسانی پنجہ جس میں ہڈیاں تھیں اور ان پر صرف کھال منڈھی ہوئی تھی۔

چاند ایک بار پھر بادل کی اوٹ میں چھپ چکا تھا اور میرے چاروں طرف گہری تاریکی مسلط تھی ۔۔۔ میں پہلے اس پنجے کو کسی پودے سے اکھڑی ہوئی شاخ سمجھا تھا لیکن جب اسے اچھی طرح ٹٹول کر دیکھا تو دہشت کی ایک تیز لہر میرے جسم میں دوڑ گئی اور پچھلے پہر کی سردی کے باوجود میری پیشانی پسینے سے بھیگ گئی۔

گرتا پڑتا۔۔۔ میں اپنے کمرے میں پہنچا۔۔۔ ٹیبل لیمپ روشن کیا اور ایک بار پھر اس انسانی پنجے کا معائنہ کیا یہ کسی لاش سے علیحدہ کیا ہوا پنجہ معلوم ہوتا تھا کسی ایسے شخص کی لاش جسے مرے ہوئے ۲ سال کا عرصہ گزر چکا ہو میں نے انتہائی کراہیت محسوس کرتے ہوئے اس پنجے کو ایک کونے میں پھینک دیا اور بستر پر لیٹ کر اس واقعے پر از سر نو غور کرنے لگا یہ بات تو یقینی تھی کہ وہ شخص جسے میں نے تہہ خانے کے قریب کھڑے دیکھا تھا اور جس پر میں نے حملہ کیا اس دنیا کی مخلوق ہرگز نہ تھی وہ انسانی روپ میں ضرور کوئی بدروح تھی جو چچا جمال کی لاش کو نقصان پہنچانے کے لیے آئی تھی اس کے ساتھ ہی یہ خیال بھی میرے دماغ میں آیا کہ چونکہ چچا جمال خود بھی کالے جادو سے کام لیتے تھے اس لیے انہیں معلوم تھا کہ بدروحیں انہیں ہلاک کرنے کے درپے ہیں۔۔۔ لیکن انہوں نے خودکشی کیوں کی؟ اور اگر خودکشی نہیں کی تو کیا انہیں کسی بدروح نے ہلاک کیا ہے؟ یہ وہ سوالات تھے جن کا جواب میرے ذہن میں نہ تھا۔۔۔ اچانک مجھے یاد آیا کہ چچا جمال نے ان کاغذات کا ذکر کیا تھا جو ان کی میز کی دراز میں رکھے تھے۔۔۔ شاید ان کاغذات کے مطالعے سے صحیح حل کا

سراغ مل سکے اور میں نے اس کام کو صبح نمٹانے کا فیصلہ کر کے اپنے آپ کو نیند کے حوالے کر دیا۔

صبح اٹھتے ہی میں نے سب سے پہلے انور کو اپنے کمرے میں بلوایا۔ گزشتہ کئی روز سے میرا اس کا آمنا سامنا نہیں ہوا تھا۔۔۔ وہ میرے سائے سے بھی دور بھاگتا تھا وہ آیا تو انتہائی بدحواس اور گھبرایا ہوا تھا ۔۔۔ میں نے اسے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کر کے اسے ایک گلاس پانی پیش کیا وہ سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ چچا جمال کے بارے میں براہ راست پوچھنے کے بجائے میں نے اسے ایک نئے انداز سے کریدنا چاہا۔۔ میں نے اس سے کہا۔

"کل رات ایک پراسرار اجنبی کو میں نے تہہ خانے کے گرد گھومتے ہوئے دیکھا ہے اس شخص کا قد بہت لمبا تھا اس نے چچا جمال کی طرح گردن سے ٹخنوں تک سیاہ لبادہ پہن رکھا تھا۔۔۔ اس کے سر کے بال بالکل سفید تھے اور ایک عجیب بات یہ تھی کہ وہ لنگڑا کر چل رہا تھا۔۔۔ جب۔۔۔ وہ۔۔۔" ابھی میں اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ۔

انور تھر تھر کانپنے لگا۔۔۔۔ اس کے چہرے کا رنگ پہلے سرخ ہوا پھر زرد اور آخر میں دھلے کپڑے کی طرح سفید پڑ گیا آنکھوں کے حلقے ساکن ہو گئے گردن آگے کو ڈھلک گئی اور وہ دھڑام سے فرش پر گر پڑا میں نے اسے سنبھالتے ہوئے دل میں کہا ایک نہ شد دو شد یہ بھی اپنے آقا کے ساتھ ہی چل بسا لیکن نہیں ۔۔۔۔ چند منٹ بعد انور نے آنکھیں کھول دیں میری جانب ڈری ڈری نظروں سے دیکھا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"کیا کہہ رہے ہیں آپ؟ رات ایک لنگڑے آدمی کو تہہ خانے کے پاس دیکھا؟ اس نے سیاہ لباس پہن رکھا تھا۔ خدا رحم کرے۔۔۔ شاہد واپس آ گیا۔۔۔؟ وہ بڑبڑایا۔۔۔

"یہ شاہد کون ہے؟" میں نے اس سے پوچھا۔

انور نے کوئی جواب نہ دیا وہ جلدی سے اٹھا کمرے کا دروازہ کھولا اور بے تحاشہ دوڑتا ہوا برآمدے میں گیا سیڑھیاں طے کیں اور مکان سے باہر نکل گیا میں اسے حیرت سے دیکھتا رہا۔ اس کے بعد میں نے دوبارہ اسے رانی پور میں نہیں دیکھا۔۔۔ وہ اپنا سامان بھی نہ لے جاسکا۔

مسز فوزیہ نے شاہد کے بارے میں جو کہانی سنائی وہ یہ تھی۔

شاہد احمد آج سے 5 سال قبل اس گاؤں میں آیا تھا جلد ہی اس کے جمال سے دوستانہ تعلقات ہو گئے۔۔۔ گاؤں والے ان دونوں سے بہت ڈرتے تھے کیونکہ یہ دونوں شخص کالے جادو کے ماہر تھے۔ مشہور تھا کہ ان کے قبضے میں بد روحیں ہیں ہمزاد ہیں جن کے ذریعے یہ جس کو چاہیں ہلاک کرا سکتے ہیں۔ ایک سال قبل ان دونوں میں کسی بات پر جھگڑا ہو گیا اور خاصی تو تو میں میں ہوئی دونوں نے ایک دوسرے کو جان سے مارنے کی دھمکیاں دیں اس جھگڑے کے چند دن بعد ہی شاہد پر اسرار طور پر غائب ہو گیا۔ پھر کسی نے اسے نہ دیکھا۔۔۔ کہنے والے کہتے ہیں کہ جمال نے شاہد کو مار ڈالا لیکن کسی میں اتنی ہمت نہ تھی کہ پولیس کو اطلاع دیتا۔۔۔ گاؤں کے وکیل خالد کو شاہد کے بارے میں کچھ معلومات ہیں اگر اس سے پوچھا جائے تو شاہد بتا دے کیونکہ اب جمال بھی اس دنیا میں نہیں رہا ہے۔

مزید وقت ضائع کیے بغیر میں خالد کے دفتر پہنچا۔ مجھے بغیر اطلاع اور بے وقت آتے دیکھ کر اس کے سنجیدہ اور پر سکون چہرے پر پریشانی کے گہرے آثار نمودار ہوئے اس نے کام چھوڑا اور میری طرف متوجہ ہو گیا میں نے سب سے پہلے دروازے اور کھڑکیاں بند کیں اور یہ اطمینان کر لینے کے بعد کہ آواز باہر نہ جائے اپنی کرسی وکیل کی طرف گھسیٹ لی اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"مجھے شاہد احمد کے بارے میں معلومات درکار ہیں کیا آپ کچھ بتا سکیں گے؟"

میں وکیل کے چہرے کو بغور دیکھ رہا تھا اس نے مضطرب ہو کر پہلو بدلا دو منٹ تک خاموش خلاؤں میں گھورتا رہا۔۔۔ پھر بولا۔۔

"مسٹر سلیم! میں جانتا ہوں کہ آپ گزشتہ چند روز سے پراسرار واقعات کے درمیان گھرے ہوئے ہیں۔۔۔ آپ نے اچھا کیا کہ میرے پاس چلے آئے میں بے شک آپ کے مرحوم چچا کا قانونی مشیر تھا لیکن آپ برا نہ مانیں تو کہوں کہ میں نے کبھی اس شخص کو پسند نہیں کیا۔۔۔ وہ افریقہ سے کالا جادو سیکھ کر آیا تھا اور اسے یہاں کے معصوم اور بے گناہ لوگوں پر آزمانا چاہتا تھا۔۔۔ میں نے انہیں سمجھایا اور روکنے کی بہت کوشش کی مگر وہ نہ مانے اسی دوران شاہد احمد بھی یہاں آ گئے جو بلیک میجک کے ماہر تھے اور آپ کے چچا نے انہیں فوراً دوست بنا لیا کہ وہ انکے مطلب کے آدمی تھے۔۔۔ لیکن 5 سال بعد ایک روز اچانک ان کی دوستی ختم ہو گئی اور وہ غائب ہو گئے۔۔۔ خیال ہے کہ آپ کے مرحوم چچا نے انہیں مار ڈالا۔۔۔ اور لاش کہیں غائب کر دی؟ تاہم شاہد احمد کی روح نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا۔۔۔ اور جیسا کہ آپ نے گزشتہ رات دیکھا کہ تہہ خانے کا دروازہ کھولنے والا شاہد احمد۔۔۔ یا اس کی روح تھی؟"

"آہ۔۔۔ میرے خدا۔۔۔! آپ کو کیسے پتہ چلا؟" میں نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر پوچھا۔

"آپ کا ملازم انور تھوڑی دیر قبل میرے پاس آیا تھا وہ سب کہانی سنا گیا ہے۔۔۔"

"وکیل صاحب! تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود آپ بلیک میجک پر یقین رکھتے ہیں؟"

وکیل نے اقرار کرتے ہوئے کہا۔" ایک روح شاہد احمد کی تابع ہے اپنی زندگی میں وہ اس سے کام

لیتا رہا اور اب مرنے کے بعد بھی ۔۔۔ جب کہ شاہد احمد خود ایک روح ہے وہ اپنے موکل سے کام لے رہا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاہد احمد کا موجودہ جسم بے کار ہوتا جا رہا ہے اس لیے وہ کسی تازہ لاش میں سمانا چاہتا ہے اور تازہ لاش تمہارے چچا کے سوا اسے کہیں سے نہیں مل سکتی اس لیے وہ یہاں آ گیا ہے اور اس کوشش میں ہے کہ اس لاش پر قبضہ کر لیا جائے۔ کیونکہ اس کی روح کے پاس بہت پرانا جسم تھا جو بے کار ہو چکا ہے اب وہ دن میں دکھائی نہیں دیتا لیکن رات کو نظر آتا ہے ۔۔۔ البتہ شاہد احمد کو میں دن میں کئی بار دیکھ چکا ہوں۔ تمہارے چچا جمال اس کی وجہ سے بے حد خائف تھے۔ انہوں نے شاہد کی روح کو دور کرنے کی بڑی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ جمال جانتا تھا کہ ایک نہ ایک دن موت کا آہنی پنجہ اسے دبوچ لے گا اور اس کے بعد شاہد اس کے جسم پر قبضہ کر لے گا۔ اس سے نجات پانے کے لیے اسے ایک تدبیر سوجی تمہیں یہاں بلایا اور چند ڈائریکشن دیں اس کے بعد کثیر تعداد میں افیون کھا کر خودکشی کر لی ممکن ہے اس نے اپنی لاش کو ان روحوں سے بچانے کے لیے کوئی خاص انتظام بھی کیا ہو لیکن جیسا کہ انہوں نے آپ کو خواب میں آ کر بتایا۔ روحیں اس کی لاش کو تہہ خانے سے نکالنے کے لیے بے چین ہیں اب اس کی ایک ہی صورت ہے کہ ہم اپنی جان پر کھیل کر شاہد احمد اور اس کی ساتھی روح کو ان کے مقصد میں ناکام بنا دیں میں ایک عامل کو جانتا ہوں جو ان بد روحوں سے مقابلہ کر سکتا ہے اسے میں اپنے ہمراہ لیتا آؤں گا۔ اس کا نام بشیر احمد ہے اور عمر ایک سو 10 سال ہے۔ اب آپ خان ہاؤس جائیں اور جمال کے کاغذات کی چھان بین کریں ممکن ہے ہمیں ان روحوں کے بارے میں کچھ اور باتیں معلوم ہوں۔"

اسی روز میں نے چچا جمال کی لائبریری میں رکھی ہوئی میز کی دراز سے ایک لمبا سر بمہر لفافہ نکالا جس پر میرا نام لکھا تھا ۔۔۔ جب میں نے اسے کھولا تو جمال چچا کے قلم سے لکھا ہوا ایک رقعہ نکلا اور اسے پڑھ کر

واقعات کی تمام گمشدہ کڑیاں میرے سامنے آ گئیں۔

"پیارے سلیم! جب تم میرا یہ خط پڑھو گے میں اس دنیا سے رخصت ہو چکا ہوں گا میں نے تمہیں جو ہدایتیں دی ہیں امید ہے تم ان پر عمل کرو گے تاکہ بدروحیں تہہ خانے میں داخل نہ ہو سکیں۔۔۔ اگر تم محسوس کرو کہ یہ روحیں تمہیں نقصان پہنچانا چاہتی ہیں تو فوراً شاہد احمد کی لاش تلاش کر کے اسے جلا دینا۔۔۔ تم نے اس کی روح کو شان ہاؤس کے نواح میں رات کے وقت گھومتے دیکھ لیا ہوگا جیسا کہ میں نے بھی کئی مرتبہ اسے دیکھا ہے آج سے ٹھیک ایک سال پہلے میں نے بمبئی میں خنجر گھونپ کر ہلاک کر دیا تھا اگر میں ایسا نہ کرتا تو وہ مجھے مار ڈالتا وہ خنجر اب بھی شاہد احمد کی لاش کے ڈھانچے میں پیوست ہوگا۔۔۔ میں نے جب شاہد کو مارا تو اس کی لاش اسی تہہ خانے میں رکھ دی تھی جہاں اب میری لاش رکھی ہے۔

لیکن شاہد احمد کی تابع ایک روح نے دروازہ توڑ کر لاش نکال لی اور اسے کہیں چھپا دیا۔۔۔ میں کوشش کے باوجود اسے تلاش نہیں کر پایا۔۔۔ یہی وجہ ہے کہ شاہد کی روح مجھ سے انتقام لینے کے لیے میرے پیچھے پڑ گئی۔ میں جانتا تھا کہ اس سے بچنا محال ہے پس میں نے اپنے آپ کو موت کے حوالے کر دینے کا فیصلہ کر لیا۔ اور تمہاری ضرورت پڑی کیونکہ میرے مرنے کے بعد تم ہی ان ہدایات پر عمل کر کے میری روح کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پرسکون کر سکتے ہو بلکہ شاہد احمد کی بدروح کو بھی جلا کر بھسم کر سکتے ہو مجھے امید ہے کہ تم خاندانی عداوت اور رنجش کو فراموش کر کے میرا یہ کام ضرور کرو گے اسی لیے میں نے اپنی روح کو نجات دلانے کے لیے تمہارے سپرد یہ کام کیا ہے ایک بات اور سمجھ لو کہ اگر شاہد احمد کی روح نے میری لاش حاصل کر لی تو شاہد احمد کی لاش کے ساتھ میری لاش کو بھی جلا کر راکھ کر دینا؟ ورنہ میں ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہوں گا۔

تمہارا بدنصیب چچا جمال

یہ خط لے کر میں وکیل کے پاس پہنچا اس نے بھی اسے پڑھا اور بتایا کہ میں نے ایک عامل سے بات کر لی ہے وہ ان بدروحوں کو بھگانے پر رضامند ہو گیا ہے اور وہ رات میں کسی وقت آپ کے پاس پہنچ جائے گا۔ اگر روحیں یہاں سے چلی جاتی ہیں تو جمال کی لاش کو کوئی خطرہ نہیں۔۔۔ میرا خیال ہے کہ آج رات پھر شاہد احمد اور اس کی ساتھی روح تہہ خانے میں گھسنے کی کوشش کریں گے۔۔۔ اس لیے آج ہی ان پر وار کرنا ہوگا۔۔ میں عامل کو لے کر رات کے 12 بجے تک خان ہاؤس پہنچ جاؤں گا۔

''لیکن اس خط میں لکھا ہے کہ جب تک شاہد احمد کی لاش نہیں ملے گی اس کی روح کو ختم کرنا مشکل ہے۔'' میں نے کہا۔

''بے شک ہمیں اس کی لاش ڈھونڈنی پڑے گی۔'' وکیل بولا۔ وہ لرزہ خیز رات ایسی تھی۔ کہ میں جب اس کا تصور کرتا ہوں تو خوف سے میرا دل بیٹھنے لگتا ہے ایسا معلوم ہوتا تھا وقت رک گیا ہو میں اس ویران مکان کے دہشتناک ماحول میں بالکل تنہا تھا۔ مسز نوزیر شام چلی جاتی تھیں اور بڈھا انور فرار ہو چکا تھا۔ چاند پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا۔۔۔ میں نے اپنے کمرے کی کھڑکی میں لیمپ روشن کر کے رکھ دیا تھا کہ وکیل اور عامل کو پتہ چل جائے کہ میں اپنے کمرے میں ہوں۔ میں بے چینی سے ان کا انتظار کر رہا تھا۔ بار بار میری نگاہ گھڑی کی طرف جاتی اور ذرا سی آہٹ پر میں چونک پڑتا۔ ایک بج گیا ان دونوں حضرات کا کچھ پتہ نہ تھا۔۔۔ تہہ خانے کی جانب سے ہوا کے دوش پر چلتی ہوئی ایک عجیب آواز میرے کانوں میں آئی جیسے کوئی پرندہ پھڑ پھڑا رہا ہو میں نے کھڑکی سے دیکھا تو ایک بڑی سی چمگادڑ تہہ خانے کے دروازے پر منڈلا رہی تھی۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے یہ چمگادڑ باغ کی جانب اس مقام پر گئی جہاں ایک بہت

پرانا درخت کھڑا تھا جس کی عمر 300 سال سے کم نہ ہوگی یہ چمگادڑ اس درخت کے کھوکھلے تنے میں داخل ہو کر غائب ہو گئی چاند کی واضح اور صاف روشنی میں۔۔۔۔ میں آنکھیں پھاڑے اس درخت کو دیکھ رہا تھا کہ مجھے اس کی جڑوں کے پاس ایک سایہ دکھائی دیا جو آہستہ آہستہ شاہد احمد کی شکل اختیار کر رہا تھا۔۔۔ دیکھتے ہی دیکھتے یہ سایہ ایک منحنی سے قد آور انسان کی شکل اختیار کر گیا۔ میں کھڑکی کے قریب کھڑا بے حس و حرکت دھڑکتے دل کے ساتھ یہ منظر دیکھ رہا تھا اتنے میں شاہد احمد کے قریب میں نے اس سے لمبے ایک اور شخص کھڑے دیکھا اس کا لباس بھی سیاہ تھا وہ دونوں خاموشی سے کھڑے تہہ خانے کی جانب دیکھ رہے تھے پھر وہ چند قدم آگے بڑھے اب چاندنی میں ان کے خوفناک سفید چہرے مجھے صاف دکھائی دے رہے تھے لیکن اس موقع پر ایک وحشت انگیز انکشاف ہوا اور میرے جسم کا خون کھینچ کر کلیجے میں سمٹ آیا۔۔۔ ان دونوں کا سایہ نہ تھا؟ بلکہ وہ ایک شیشے کی مانند دکھائی دے رہے تھے۔ کیونکہ ان کے جسموں کے پار بھی آسانی سے دوسری طرف کا منظر نظر آ رہا تھا۔۔۔ شاہد کی ناپاک روح اب مجسم آدمی کی شکل میں میرے سامنے تھی اس کی آنکھیں انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں جب وہ وہاں سے ہٹ کر آہستہ آہستہ تہہ خانے کی طرف چلا تو میں نے دیکھا اس درخت کے تنے میں ایک بڑا سوراخ ہے تب دفعتہً مجھے خیال آیا کہ شاہد کی لاش اس کھوکھلے تنے کے اندر پڑی ہوگی۔۔

میں نے وکیل اور عامل کی آمد کا انتظار کیے بغیر لیمپ اٹھایا اور دروازہ کھول کر دبے پاؤں سیڑھیاں اترتا ہوا مکان سے باہر نکل آیا اور پیش آنے والے مہلک خطرے سے بے نیاز ہو کر سیدھا تہہ خانے کی طرف چلا۔۔۔ کیونکہ وہ دونوں ناپاک روحیں وہاں تہہ خانے کا دروازہ کھولنے کی کوشش میں مصروف تھیں۔۔۔ میں جب ان کے بالکل قریب جا پہنچا تو انہوں نے پلٹ کر میری جانب دیکھا مجھ سے ان کا فاصلہ





























































































































































